فریدالدین

سیّد جاوید اقبال

حکیم محمد سعید کی سفر نامہ نگاری کا تجزیاتی مطالعہ

حکیم محمد سعید (۱۹۲۰ء تا ۱۹۹۸ء) ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ وہ طبیب، سماجی کارکن، مفکر، مصنف، محقق، منتظم اور صنعت کار تھے۔ ۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد حکیم عبدالمجید مطبِ ہمدرد کے بانی تھے۔

حکیم محمد سعید کی ابتدائی اور تعلیم طب دہلی میں ہوئی۔ وہ قیامِ پاکستان سے قبل ہی کراچی کو ادارہ ہمدرد کا دوسرا مرکز بنانے کا فیصلہ کر چکے تھے، لہٰذا ۹ جنوری ۱۹۴۷ء کو دہلی سے ہجرت کر کے کراچی پہنچے اور مطبِ ہمدرد کی بنیاد رکھی جو بعد ازاں ہمدرد (وقف) پاکستان کی صورت اختیار کر گیا۔ اس ادارے کے زیرِ انتظام ہمدرد کالج آف ایسٹرن میڈیسن، ہمدرد کالج آف میڈیسن، ہمدرد انسٹیٹیوٹ آف فارمالوجی اینڈ ہربل ریسرچ، ہمدرد پبلک اسکول، جامعہ ہمدرد، بیت الحکمت اور مدینۃ الحکمت اور صنعتِ ہمدرد وغیرہ قایم ہوئے۔ بہ طور طبیب حکیم محمد سعید نے لاکھوں مریضوں کا مفت طبی معائنہ کیا اور ادویہ تجویز کیں۔ شامِ ہمدرد اور مجلس شورائے ہمدرد کے ذریعے فکری، نظری اور فلاحی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ جامعہ ہمدرد کے چانسلر اور صنعتِ ہمدرد کے منتظم تھے۔ حکیم محمد سعید وفاقی مشیر برائے طب، صدرِ پاکستان اور گورنر سندھ مقرر ہوئے۔ وہ متعدد ملکی و غیر ملکی اداروں اور تنظیموں کے رکن، رکن امین، عہدے دار اور سربراہ بھی رہے اور ملکی و عالمی سطح پر علمی و فلاحی کام کرتے رہے۔ مقامی اور عالمی سطح پر منعقد ہونے والے سینکڑوں اجلاسوں، سیمیناروں، کانفرنسوں اور کانگریسوں میں شریک ہوئے اور تحقیقی مقالات پیش کیے۔ ان تمام مصروفیات کے ساتھ ساتھ قریباً ۲۰۰ کتب تصنیف و تالیف کیں، سینکڑوں مضامین، دیباچے اور اداریے تحریر کیے۔ کئی رسائل کی ادارت کے فرائض انجام دیے اور مختلف ممالک کے ۵۶ سفرنامے بھی تحریر کیے۔ انھیں سفرناموں کا تجزیاتی مطالعہ ہمارا موضوع ہے۔

ذیل میں حکیم محمد سعید کے تمام سفرناموں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کا تجزیاتی مطالعہ اور منتخب ہم عصر سفرنامہ نگاروں کی سفرنامہ نگاری سے تقابل پیش کیا جائے گا۔ مقالے کا آغاز اردو سفرنامہ نگاری کی روایت سے کیا جاتا ہے۔

(۱)

موجودہ تحقیق کے مطابق اردو کا پہلا سفرنامہ ''تاریخ یوسفی'' المعروف عجائبات فرنگ ہے۔ یہ سفرنامہ یوسف خان کمبل پوش کا تحریر کردہ ہے۔ اس کا سنہ تالیف ۱۸۴۳ء ہے یہ پہلے فارسی میں لکھا گیا اور ملکہ وکٹوریہ کے نام معنون ہوا بعد میں یوسف خان کمبل پوش نے اسے اردو میں تحریر کیا۔ اس سفرنامے کی اوّلین طباعت دہلی کالج کے مطبع العلوم سے ۱۸۴۷ء میں ہوئی۔ یہ نسخہ پنڈت دھرم نارائن

کے زیرِ اہتمام شائع ہوا تھا۔ بعد میں منشی نول کشور نے اس کا ایک ایڈیشن ۱۸۷۳ء میں شائع کیا، عنوان بدل کر ''عجائباتِ فرنگ'' کر دیا اور مصنف کے نام میں بھی تبدیلی کر دی یوسف خان کمبل پوش حیدر آبادی سے کم کر کے یوسف خان کمبل پوش کر دیا۔ یہی صورت ۱۸۹۸ء کے ایڈیشن میں بھی رہی۔[۱]

اردو کا دوسرا سفرنامہ ''تاریخِ افغانستان'' کو قرار دیا جاتا ہے۔ اسے فدا حسین عرف نبی بخش نے تحریر کیا۔ مصنف کے سفر کا آغاز ۳؍نومبر ۱۸۳۹ء کو ہوا، وہ ایک جنگی مہم کے سلسلے میں شاہ جہاں پور سے کابل گئے تھے۔ یہ سفرنامہ روزنامچے کے انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔[۲] اردو کا تیسرا سفرنامہ ''سفرِ فرنگ'' از مرزا ابوطالب خاں اصفہانی اور چوتھا ''تاریخ انگلستان از مولوی مسیح الدین علوی خان ہے۔[۳] ''تاریخ انگلستان'' کے مصنف، واجد علی شاہ کے سفیر کے طور پر، ان کی والدہ، بھائی اور بیٹے کے ہم راہ برطانیہ گئے تھے۔ یہ سابق میر منشی، گورنر جنرل بھی تھے۔ ان کا قیام تقریباً ۷ سال انگلستان میں رہا۔ واپسی پر ان کا یہ سفرنامہ ۱۸۶۳ء میں مکمل ہوا۔ مقصودِ سفر واجد علی شاہ کی سیاسی حیثیت کا استحکام تھا۔ ڈاکٹر انور سدید نے نواب کریم خان سفیرِ بہادر شاہ ظفر کے سفرِ لندن (۱۸۳۹ء) کا ذکر کیا ہے۔ اس سفر کا مقصد مقدّمہ تھا، لہٰذا تمام عرصہ جو انھوں نے ابتدائے سفر سے واپسی تک گزارا، اس کی روداد روزنامچے کی شکل میں تحریر کی۔ یہی تفصیل ''سیاحت نامہ'' کی صورت میں طبع ہوئی۔ اس سفرنامے کا قلمی نسخہ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے دریافت کر کے شائع کیا۔[۴]

۱۸۶۱ء میں نواب سکندر بیگم والیِ بھوپال نے حجازِ مقدس کا سفر اختیار کیا۔ ڈاکٹر قدسیہ کے مطابق یہ سفرنامہ قلمی صورت میں ہے۔ جس کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں موجود ہے۔[۵] ڈاکٹر محمد شہاب الدین نے اپنی کتاب ''اردو میں حج کے سفرنامے'' میں اسے غیر مطبوعہ ہی بیان کیا ہے۔ یہ سفر ۱۸۶۴ء میں کیا گیا اور سفرنامے کا نام ''یادداشتِ تاریخ وقائع حج'' تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ سفر، فارن سکریٹری شملہ مسٹر ردار انڈ اور ان کی اہلیہ کی درخواست پر کیا گیا تھا۔ وہ ملک عرب کے حالات و واقعات سے واقف ہونا چاہتے تھے۔ نواب سکندر بیگم کی والدہ بھی ساتھ تھیں۔ دو بحری جہازوں پر قافلہ حجازِ مقدس روانہ ہوا۔ جدہ سے بیت اللہ تک اس قافلے کے سوار اور اسباب سات سو اونٹوں پر تھے۔[۶] سرسید احمد خان ۱۸۶۹ء میں انگلستان گئے۔ اس کا مقصد سر ولیم میور کی متنازعہ کتاب ''لائف آف محمدؐ'' کا جواب تحریر کرنے کے لیے مستند معلومات کا حصول تھا۔[۷] انھوں نے وہاں درس گاہوں کا مطالعہ اور دیگر سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا۔

سرسید نے دورانِ قیامِ لندن سفر کے حالات، مشاہدات، تجربات اور تجزیات ہندوستان بھیجنے شروع کر دیے تھے جو قسط وار اخبار سائنٹفک سوسائٹی، علی گڑھ میں شائع ہوئے۔ سرسید کے خیالات نے ہندوستان میں مخالفین کو طوفان کھڑا کر دینے پر آمادہ کر دیا اور یوں شدید مخالفت کے بعد سرسید نے یہ سلسلہ موقوف کر دیا۔[۸]

سرسید کا یہ سفر، یکم اپریل ۱۸۶۹ء کو بنارس سے شروع اور ایک سال چھے ماہ اور دو دن کے بعد یعنی ۱۲؍اکتوبر ۱۸۷۰ء کو ختم ہوا۔ وطن واپسی پر تمام حالات و واقعاتِ سفر کو ''رسالہ تہذیب الاخلاق'' میں شائع کیا۔[۹] سفرنامے کا نام ''مسافرانِ لندن'' ہے۔ اسے

محمد اسماعیل پانی پتی نے سرسید کی سفری روداد کے مختلف مآخذ سے مرتب کیا اور ۱۹۶۱ء میں مجلس ترقی ادب لاہور کے زیرِ اہتمام شائع کیا۔۱۰؎ ۱۸۸۴ء میں مولوی سیّد اقبال علی نے سرسید کے دورۂ پنجاب کو ''سفرنامۂ پنجاب'' کے عنوان سے تالیف کیا۔ بنیادی طور پر تو یہ سرسید کی تقاریر کا مجموعہ ہے جو انھوں نے صوبۂ پنجاب کے مسلمانوں کے سامنے علی گڑھ کالج اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود میں معاونت کی خاطر کی تھیں۔۱۱؎ اس سفرنامے میں تقاریر کے علاوہ دیگر مشاہدات اور تجربات بھی موجود ہیں۔ سرسید کا سفر لدھیانہ، جالندھر، امرتسر، گورداس پور، پٹیالہ اور لاہور تک کا تھا۔ اس سفرنامے کا اوّلین ایڈیشن علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس سے ۱۸۸۴ء میں شائع ہوا جب کہ دوسرا اور تیسرا ایڈیشن جسے شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے مرتب کیا وہ ۱۹۷۳ء میں مجلس ترقی ادب، لاہور سے اور ۱۹۸۰ء میں ایجوکیشنل پبلی شنگ ہاؤس دہلی سے شائع ہوا۔۱۲؎

محمد حسین آزاد کو اردو کا عظیم انشا پرداز ہونے کا مرتبہ حاصل ہے۔ ۲۴؍جولائی ۱۸۸۶ء کو انجمن پنجاب، لاہور کے ہال میں ان کا ایک لیکچر رکھا گیا جس میں انھوں نے ایران کی رودادِ سفر اور مقصد سفر بیان کیا۔ بہ قول آزاد، مقصدِ سفر فارسی لغت کے لیے مستند کتب کی تلاش تھا۔ اس سفرنامے کو ''روزنامچہ سیر ایران'' کے عنوان سے آزاد کے پوتے آغا محمد طاہر نے مرتب کیا۔ ڈاکٹر قدسیہ نے ''سیرِ ایران'' از محمد حسین آزاد، کریمی پریس لاہور ۱۸۸۶ء تحریر کیا ہے۔۱۳؎ ڈاکٹر انور سدید نے کتابیات میں ''سیرِ ایران'' آزاد بک ڈپو، لاہور کا حوالہ دیا ہے۔ سنہ اشاعت ندارد۔۱۴؎

۲۶؍اپریل ۱۸۹۲ء کو علامہ محمد شبلی نعمانی علی گڑھ سے روم، مصر اور شام کے سفر پر روانہ ہوئے اور اسی سال واپس آئے۔ شبلی کا یہ سفر علمی مقاصد کا حامل تھا۔ انھوں نے کتب خانے دیکھے۔ اکابرین سے ملاقاتیں کیں، نظامِ تعلیم اور تہذیب و تمدنِ ترک اور عرب کا مطالعہ و مشاہدہ کیا اور عظیم مسلم شخصیات سے متعلق علمی معلومات جمع کیں۔۱۵؎ شبلی کے سفرنامے کی اوّلین اشاعت ۱۸۹۴ء میں بہ عنوان ''سفرنامۂ روم، مصر و شام'' ہوئی۔۱۶؎ اس سفرنامے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس زمانے تک اردو میں ترکستان اور مصر کے بارے میں معلومات موجود نہیں تھیں۔ شبلی کے سفرنامے نے یہ کمی پوری کر دی۔۱۷؎ ۱۹۰۰ء سے ۱۹۶۰ء تک بہت سے سفرنامے تحریر کیے گئے۔ ان سب پر بات کرنا موضوعِ تحقیق سے علاقہ نہیں رکھتا لہٰذا چیدہ چیدہ سفرناموں کے بارے میں تحریر کیا جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ اردو سفرنامے کی روایت کے ضروری خط و خال واضح ہو جائیں۔

۱۹۰۸ء میں مولوی محبوب عالم کا سفرنامہ ''سفرنامۂ بلادِ یورپ، روم، مصر و شام'' شائع ہوا۔ مولوی محبوب عالمی نمائش میں شرکت کی غرض سے گئے تھے۔ ان کا دوسرا سفر بغداد، عراق اور دیگر عرب علاقوں کا تھا۔ ہندوستان کی انگریز حکومت نے ایک وفد بھیجا تھا جس کے ایک رکن مولوی محبوب علی بھی تھے۔ ''سفرنامۂ بغداد'' اسی سفر کی روداد پر مشتمل ہے۔۱۸؎ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے پہلے سفرنامے کا سنہ اشاعت ۱۹۰۰ء اور دوسرے کا ۱۹۰۴ء تحریر کیا ہے۔۱۹؎ ۱۹۰۸ء میں نازلی رفعیہ سلطان بیگم کا سفرنامہ ''سیرِ یورپ'' شائع ہوا۔ نازلی رفعیہ سلطان بیگم نے یورپ کا سفر، عطیہ بیگم فیضی، ریاست جزیرہ کے نواب سر سیدی احمد خان بہادر اور کچھ دیگر افراد کے

ساتھ کیا تھا۔ یہ سفر و قیام ۲۵/اپریل سے ۴/اکتوبر ۱۹۰۸ء تک ہوا۔ وہ قیامِ یورپ کے دوران اپنے خاندان کے بزرگوں کو خط میں یورپ کا احوال تحریر کرتی رہیں۔[۲۰] انھوں نے واپس آ کر انھی خطوط اور یادداشتوں کی مدد سے اپنا سفرنامہ مرتب کیا۔ اِسے ڈاکٹر صدف فاطمہ نے بیسویں صدی کی خاتون کا سب سے پہلا اور اعلا درجے کا سفرنامہ قرار دیا ہے۔[۲۱] خواجہ حسن نظامی اردو کے نامور ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے کئی سفرنامے ہیں مثلاً ''سفرنامۂ ہندوستان'' بمبئی، گجرات اور کاٹھیاواڑ کے بارے میں، ''سیرِ دہلی''، دہلی کے بارے میں اور ''سفرنامۂ مصر و فلسطین و شام و حجاز'' متعلقہ ممالک سے تعلق رکھتا ہے۔ آخرالذکر ۱۹۱۱ء میں دہلی سے شائع ہوا۔[۲۲] انھوں نے تمام سفری روداد کو روزنامچوں کی صورت میں تحریر کیا ہے۔ وہ یکم جون ۱۹۱۱ء کو سفر پر روانہ ہوئے اور ستمبر میں واپس آئے۔ مقصودِ سفر فریضۂ حج کی ادائی، مقاماتِ مقدسہ کی زیارت اور سیاحت تھا۔[۲۳] علامہ محمد اقبال، سر راس مسعود اور علامہ سید سلمان ندوی ۱۹۳۳ء میں افغانستان کے دورے پر گئے۔ انھیں وہاں کی حکومت نے نظامِ تعلیم کے بارے میں مشاورت کے لیے مدعو کیا تھا۔ سید سلمان ندوی نے اس سفر کی روداد 'سیرِ افغانستان' کے عنوان سے تحریر کی جو ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی۔[۲۴] ابتدا میں یہ سفرنامہ قسط وار رسالہ معارف میں شائع ہوتا رہا۔[۲۵] سید سلمان ندوی کا ایک سفرنامہ ''بریدِ فرنگ'' بھی ہے جو یورپ کے سفر سے متعلق ہے۔ یہ سفر ۱۹۲۰ء میں کیا گیا اور رودادِ سفر خطوط کی صورت میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، مولانا مسعود علی ندوی، عبدالماجد دریا آبادی، ابوظفر ندوی اور عبدالحکیم دیسوی کو بھیجی گئی بعد میں ان خطوط ہی سے سفرنامہ ترتیب دیا گیا۔ اس سفر میں مولانا محمد علی جوہر اور سید حسین بھی ساتھ تھے۔ بیگم حسرت موہانی کا سفرنامہ ''سفرنامۂ عراق'' ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔ انھوں نے یہ سفر ۱۹۳۶ء میں اپنے شوہر کے ساتھ کیا تھا۔ ان کا دوسرا سفرنامہ ''سفرنامۂ حجاز'' کے عنوان سے ہے۔ مقصدِ سفر نام سے ظاہر ہے۔ ''مسافر کی ڈائری'' احمد عباس کا تحریر کردہ سفرنامہ ہے۔ مقصودِ سفر ورلڈ یوتھ کانفرنس نیویارک میں شرکت تھی۔ اس کانفرنس میں شرکت کے بعد انھوں نے سترہ ممالک کا سفر اختیار کیا۔ یہ دورہ تقریباً پانچ ماہ طویل تھا۔ اس دوران وہ حالاتِ سفر، ڈائری میں لکھتے گئے۔ وہ نظریاتی اعتبار سے اشتراکی تھے لہٰذا اس سفرنامے میں ان کے نظریات واضح ہیں۔[۲۶] یہ سفرنامہ ۱۹۴۰ء میں دہلی سے شائع ہوا۔

آغا محمد اشرف کے دو سفرنامے ''لندن سے آداب عرض'' اور ''دیس سے باہر'' کتاب منزل لاہور سے ۱۹۴۶ء میں شائع ہوئے۔ بہ قول ڈاکٹر انور سدید، خواجہ احمد عباس اور آغا محمد اشرف کے سفرناموں سے اردو سفرنامے میں روایت سے انحراف اور جدت کا آغاز ہوتا ہے۔[۲۷] محمود نظامی ۲۲/اکتوبر سے ۲۴/اپریل ۱۹۵۲ء تک سفر میں رہے۔ مقصدِ سفر اپنے ملازمتی فرائض ادا کرنا تھا۔ وہ لندن، پیرس، میکسیکو، روم اور مصر گئے۔ اس سے قبل بھی وہ یورپ جا چکے تھے۔ انھوں نے ''نظرنامے'' کے عنوان سے سفرنامہ تحریر کیا جو ۱۹۵۸ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس سفرنامے کو ڈاکٹر انور سدید نے قدیم و جدید اردو سفرنامے کے درمیان حدِ فاصل قرار دیا ہے۔[۲۸]

اردو محققین کے نزدیک اردو کا اوّلین سفرنامہ ''عجائباتِ فرنگ از یوسف خان کمبل پوش'' ہے۔ اس سفرنامے کے مصنف کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ ایک فطری سیاح تھا۔ انگلینڈ جانے سے قبل بھی ہندوستان کے کئی علاقے گھوم پھر کر دیکھ چکا تھا۔ انگلینڈ بھی بہ

غرض سیاحت ہی گیا تھا۔ یورپ سے واپسی پر یوسف خان کمبل پوش نے مروج زبان واسلوب میں اپنی روداد سفر تحریر کی، کہا جاسکتا ہے کہ اردو کے اوّلین سفرنامہ نگار نے اردو سفرنامہ نگاری کی بنیاد درست ڈالی بعد کے سفرنامہ نگار، اسی بنیاد پر نئی عمارات تعمیر کرتے رہے۔ کسی نے اِن میں، مقصد کا در کھولا، تو کوئی معلوماتی وکاروباری در یچے لگاتا رہا۔ کوئی حج یا مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے نکلا تو اردو سفرنامہ نگاری میں نئے باب کا اضافہ کرگیا۔ غرض جیسے سیاح کے مقاصد تھے، ویسے ہی اردو میں سفرنامے لکھے جانے لگے مگر معلومات کی فراہمی اور واقعات کے ذریعے تحیر و تجسس پیدا کرنے کا رجحان، تمام سفرناموں میں موجود رہا۔

اردو کے اوّلین سفرنامے (۱۸۴۷ء) کی اشاعت سے حکیم محمد سعید کے اوّلین سفرنامے ''یورپ نامہ'' (۱۹۶۰) تک بہ کثرت سفرنامے شائع ہوئے۔ جن میں طبع زاد اور ترجمہ شدہ دونوں شامل ہیں۔ ان سفرناموں میں سے زیادہ تر انگلینڈ، ایران، عراق اور سرزمینِ حجاز کے ہیں۔ ان کے علاوہ افغانستان، فرانس، اسپین، ترکی، روس، چین، جاپان، آسٹریلیا اور میکسیکو وغیرہ کے بھی کچھ سفرنامے ملتے ہیں۔

اور جب سفر کا سلسلہ بڑھا اور نام ور ادیب، نثر نگار، شاعر، عالم، طالب علم اور سیاسی رہ نما سفر پر نکلے اور انھوں نے سفرنامے تحریر کیے، تو اردو سفرنامہ نگاری کو چار چاند لگ گئے۔ سر سید احمد خان، محمد حسین آزاد، علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، خواجہ حسن نظامی، بیگم حسرت موہانی، عطیہ فیضی، خواجہ احمد عباس، آغا محمد اشرف، مولانا عبدالجبار بدایونی، عبدالماجد دریا آبادی، مولوی محبوب علی، راشد الخیری، خواجہ احمد عباس، ابراہیم جلیس، قدرت اللہ شہاب، ابن انشاء، عطاالحق قاسمی، جمیل الدین عالی، قمر علی عباسی، رضا علی عابدی، خالد مونگا، بیگم اختر ریاض الدین، ڈاکٹر وحید قریشی، مولانا مودودی، مولانا ماہر القادری، ممتاز مفتی، نسیم حجازی، انتظار حسین، مختار مسعود، صدیق سالک، امجد اسلام امجد، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اشفاق احمد، بشریٰ رحمٰن، شفیع عقیل، ڈاکٹر عبادت بریلوی، قمر علی عباسی، کرنل محمد خان، محمد طفیل، میرزا ادیب، محمد خالد اختر، محمود شام، ممتاز احمد خان، جمیل زبیری، تاج محمد لنگاہ، مستنصر حسین تارڑ اور خاص کر ابنِ انشا وغیرہم سفرناموں نے اردو سفرنامہ نگاری کو اعتبار بخشا اور دوسری اصنافِ ادب کے ہم قد کر دیا۔ چنانچہ اب اردو سفرنامے کا دائرہ کار ماضی کی طرح چند مخصوص شہروں اور ملکوں تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کا پھیلاؤ ان تمام علاقوں تک ہو گیا، جہاں، جہاں انسان بستے ہیں۔

گزشتہ ۴۰ سالوں میں تو بہ کثرت سفرنامے شائع ہونا شروع ہوئے اس طرح اُردو سفرنامہ نگاری کے نئے رجحانات اور تجربات سامنے آئے۔ ابن انشا اور اس قبیل کے ادبا نے اردو سفرنامہ نگاری کے اسلوب و انداز میں طنز و مزاح کا نیا اور دل نشیں پودا لگایا۔ عالمانہ، معلوماتی، خشک، مشکل یا سادہ و رواں اسلوب کی جگہ، پُر مزاح اسلوب و انداز، سفرنامے کے قاری کا دل لبھانے لگا۔ زبان و بیان میں نئے نئے شگوفے کھلے تو سفرنامے کی فضا، دل کش اور شیریں ہو گئی۔ مستنصر حسین تارڑ کی آمد نے اردو سفرنامے کو افسانوی ادب کی سرزمین پر لا کھڑا کیا۔ طلسم ہوشربا، سفرنامے کے فن کا لوازمۂ خاص قرار پایا۔ سیاح ہیرو بن گیا۔ ایک رومینٹک اور انرجیٹک

ہیرو، وہ اب سب کچھ کر سکتا ہے جو فلموں یا داستانوں میں ہوتا ہے۔ بہر حال سفرنامے کے کچھ اجزا بعض صورتوں میں یکساں رہے اور کچھ نئی چیزیں بھی سفرنامہ نگاری کا حصہ بنیں۔ یوں سفرنامہ نگاری کی روایت مستحکم ہوتی گئی۔ اس استحکام میں حکیم محمد سعید نے بھی اپنا حصہ شامل کیا۔ حکیم محمد سعید کی سفرنامہ نگاری کا زمانہ ۱۹۶۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۹۸ء پر ختم ہوتا ہے۔

اردو میں سفرنامے کا فن باقاعدہ متعین نہیں ہے اور نہ ہی ایسی کوئی تعریف ہے کہ جسے کلیہ تسلیم کر کے سفرنامہ یا سفرنامہ نگاری کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لیا جائے۔ ''اردو ادب میں ڈاکٹر انور سدید کی سفرنامہ نگاری سے متعلق ایک اہم کتاب ''سفرنامہ نگاری'' ہے۔ اس میں رحمان مذنب، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر مختار الدین احمد، مجنوں گورکھ پوری، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر اسلم فرخی، سحر انصاری، میرزا ادیب، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر مسعود انور، مشفق خواجہ، ظہیر احمد صدیقی، غلام الثقلین نقوی، کرنل محمد خان، ڈاکٹر آغا سہیل، محمد کاظم، منیر احمد شیخ، ڈاکٹر انعام الحق جاوید اور راغب شکیب کی بیان کردہ سیاح، سیاحت اور سفرنامہ نگاری سے متعلق تعریفات درج ہیں۔ ان تعریفوں کے مطابق۔ سیاح، سیاحت اور سفرنامہ نگاری کے لیے ضروری ہے کہ حقیقی سفر کیا جائے۔ جو کچھ تحریر کیا جائے، وہ سفر ہی سے متعلق ہو، مقصود افسانہ کہنا نہ ہو۔ سفرنامہ، سیاح کی شخصیت کا عکس ہونا چاہیے۔ سفرنامہ لکھنے کے لیے سیاح کا مشاہدہ صرف رپورٹنگ تک محدود نہ ہو، خارجیت کے ساتھ داخلیت بھی موجود ہونا چاہیے۔

معلومات، کتابی یا اتنی کثرت سے نہ ہوں کہ قاری کا مزاج بوجھل ہو جائے۔ سیاح کو انسان اور انسانیت کی شناخت ہو اور وہ معلومات بیان کرتے وقت کسی بھی قسم کے تعصّبات کا شکار نہ ہو بلکہ خصوصی ماحول اور حالات میں اپنے ذاتی اور انفرادی ردِّعمل کی ایسی جھلک پیش کرے جس سے قاری کی ذہنی وسعت اور انسان شناسی میں اضافہ ہو۔ مزید یہ کہ ''افسانوی عنصر کو بھی ضروری جز قرار دیا گیا۔ جزوِ تماشا ہو کر تاثراتِ تماشا بیان کرنا بھی سیاح کے لیے لازمی سمجھا گیا ہے۔ سیاح اپنی شناخت سے آزاد ہو کر سیاحت کرے۔ سفرنامہ، قاری کے دل میں سیاحت کا شوق جگائے۔ منظر کشی ایسی ہو کہ ہر منظر، حقیقی تصویر بن کر قاری کی نظروں میں گھومتا ہو۔

مذکورہ نکات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے درج ذیل صفحات میں حکیم محمد سعید کی سفرنامہ نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس مطالعے میں محرکات و مقاصد، مشاہدہ، منظر نگاری، جزئیات نگاری، واقعہ نگاری، شخصیت نگاری، خارجیت اور داخلیت، طنز و مزاح، معلومات اور اسلوب وغیرہ کا خصوصی طور پر تجزیہ کیا گیا ہے۔

(۲)

حکیم محمد سعید چینی سیاح کے ان خیالات سے واقف تھے کہ ''سچا سیاح وہ ہوتا ہے کہ جب سفر پر روانہ ہو، تو اسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں سے چلا ہے اور اسے کدھر جانا ہے۔''۲۹ مگر وہ خود ایسے سیاح نہیں تھے اور نہ بن سکتے تھے۔ اس کی وجہ بہت واضح ہے، سیاحت ان کا مقصدِ حیات نہیں تھی۔ سیاح و سیاحت اور سفرنامہ نگاری سے متعلق ان کا ذاتی نظریہ، یہ تھا کہ ''سیاح دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات کو سمجھنے کا فریضہ انجام دے۔ خود سوچنے کے ساتھ ساتھ، دوسروں کے سوچنے کا سامان کرے۔ جن چیزوں کا مشاہدہ،

مطالعہ اور تجزیہ کرے یا ان سے لطف اندوز ہو، سیاح وہ علم اور لطف قارئین تک پہنچائے۔''۳۰ حکیم محمد سعید کا یہ نقطۂ نظر بھی تھا کہ: ''سیاح کو دوسرے ملک جا کر یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے اور اس سے وہ وطن واپس پہنچ کر اپنے ملک و قوم کو کیا اور کس طرح فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ سفر کو وسیلۂ ظفر ہونا چاہیے۔''۳۱ سیاحت کے حوالے سے وہ یہ بھی تحریر کرتے ہیں کہ ''سچا سیاح وہ ہوتا ہے جو آنکھیں کھول کر سفر کرے اور جو کچھ دیکھے، وہ سچ سچ تحریر کر دے۔ سیاح کے لیے سفر نامہ لکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ جو لوگ زندگی بھر کسی دوسرے ملک جانے کی سکت نہیں رکھتے، وہ ان سفر ناموں کو پڑھ کر اپنے علم میں اضافہ کریں۔''۳۲

حکیم محمد سعید کے اسفار کے محرکات و مقاصد بہت واضح ہیں۔ ان کے تحریر کردہ تمام سفر ناموں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انھوں نے ملکی و غیر ملکی تمام سفر، طبِ مشرق کو بہ طور ایک مؤثر طریقِ علاج منوانے اور ہمدرد (وقف) پاکستان کی ترقی کے لیے کیے۔۳۳ طبِ مشرق جسے خود ہندوستان، پاکستان اور دیگر مشرقی ممالک میں دھتکارا جا رہا تھا۔ انھوں نے اسے اقوام متحدہ کے جید ادارے ڈبلیو ایچ او سے مسلسل رابطے میں رہ کر بہ طور ایک مؤثر طریقِ علاج تسلیم کروایا۔ اس ضمن میں انھیں کئی دہائیاں ان تھک کوشش کرنا پڑی۔ دنیا بھر میں ہونے والے اجلاسوں، سیمیناروں، کانفرنسوں، کانگریسوں، اور سمپوزیموں میں حکیم محمد سعید کی شرکت اور مقالاجات پڑھنا اس بات کا بین ثبوت ہے۔ عالمی ادارۂ صحت کی تیئسویں جنرل اسمبلی، منعقدہ جنیوا مئی ۱۹۷۷ء میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ ''مسائل صحتِ انسانی کو حل کرنے کے لیے قدیم طریق ہائے علاج سے کام لینا ضروری ہے۔ اس کے بغیر مسائلِ صحت کے حل کی توقع نہیں کی جا سکتی۔''۳۴

حکیم محمد سعید ۱۹۲۷ء میں سات سال کی عمر میں اپنے اہلِ خانہ کے ہم راہ، حجاز مقدس کے سفر پر جا چکے تھے۔ اس سفر کی یادیں، ہمیشہ ان کے ذہن میں تازہ رہیں اور متعدد سفر ناموں میں، انھوں نے اس سفر سے وابستہ کئی واقعات کا ذکر بھی کیا۔ وہ قیامِ پاکستان سے قبل برصغیر کے کئی علاقے بھی دیکھ چکے تھے۔ پاکستان آنے کے بعد وہ ۱۹۴۸ء میں مصر، ۱۹۴۹ء میں اٹلی اور ۱۹۵۲ء میں بڑے بھائی حکیم عبدالحمید کے ساتھ انڈونیشیا اور جنوب مشرق کے سفر پر روانہ ہوئے۔ حکیم محمد سعید اپنے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید کے ہم راہ، ۱۹۵۶ء میں سفرِ یورپ پر روانہ ہوئے۔ یہ کئی ماہ طویل پیشہ ورانہ، کاروباری، مطالعاتی اور تفریحی دورہ تھا۔ اس کے محرکات میں دوا سازی کے اداروں کا جائزہ، دوا سازی کی مشینری بنانے والی فرموں سے تعلقات پیدا کرنا، طبی مراکز کا معائنہ، کتب خانوں اور کتب فروش اداروں سے قدیم طبی کتابوں کی فہرست حاصل کرنا، عوامی صحت کے اداروں کی معلومات حاصل کرنا، صحتِ اطفال کے مراکز کا جائزہ اور ان کے طریقِ عمل کو سمجھنا وغیرہم شامل تھا۔۳۵ اس کے بعد تو سفر، ان کی ہاتھوں کی لکیروں میں اتر گیا۔ زمین و فضا کی وسعتیں سمٹ گئیں۔ دنیا کے بیش تر ممالک مثلاً ہندوستان، ایران، چین، سری لنکا، بنگلہ دیش، عراق، لبنان، مصر، سعودی عرب، کویت، عمان، اردن، جنوبی افریقہ، یونان، فرانس، انگلینڈ، جرمنی، سوئزرلینڈ، کینڈا، امریکا، میکسیکو، فن لینڈ، آسٹریا، آسٹریلیا، جاپان اور کوریا وغیرہ کسی نہ کسی مقصد سے گئے بعض ملکوں میں تو کئی کئی بار گئے۔

خالص پیشہ ورانہ اسفار کے علاوہ کچھ سفر انھوں نے سفارتی سطح پر بھی کیے، جن میں انھوں نے مقتدر شخصیات کے کہنے پر دیگر ممالک سے پاکستان کے تعلقات کو بہتر بنانے میں اپنا کردار ادا کیا، مثلاً ۱۹۶۳ء کا دورۂ چین، جس میں انھوں نے چین پاکستان دوستی کی بنیاد ڈالی۔ وہ اس دورے میں وفد کے سربراہ تھے۔ اگر چہ اس کا سفرنامہ انھوں نے تحریر نہیں کیا۔ البتہ چیدہ چیدہ واقعات مختلف سفرناموں میں ضرور بیان کیے ہیں۔ اس سفر کی یادگار آپ کی مشہور تصنیف ''میڈیسن ان چائنا'' ہے۔ مصری حکومت اور وہاں کے سرکاری اور اہم اخبار ''الاہرام'' کی پاکستان مخالف پالیسی کو تبدیل کرانے میں بھی حکیم محمد سعید کا دخل ہے۔ وہ اس ضمن میں کئی بار قاہرہ گئے۔ اخبار ''الاہرام'' کے ایڈیٹر سے دوستانہ مراسم پیدا کیے اور انھیں ذاتی مہمان بنا کر پاکستان لائے اور اس طرح سے وہ اخبار جو پاکستان کا نام چھاپنا گوارا نہیں کرتا تھا، اُس نے پاکستان کے حق میں گیارہ مضامین شائع کیے۔ یہ سب حکیم محمد سعید کے ذاتی تعلقات کی بنا پر ممکن ہوا [۳۶] لیکن ان اسفار کا بلا واسطہ فائدہ، طبِ مشرق اور ہمدرد (وقف) پاکستان کو بھی ہوا۔

۱۹۷۸ء میں روس کے سفر کی وجہ ''کانگریس عالمی صدر الدین عینی'' میں شرکت اور مقالا پڑھنا تھا لیکن اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر، انھوں نے روس کے علمی وطبی مراکز کا مطالعاتی دورہ بھی کیا۔[۳۷] ۳۰ مئی تا ۲۵ جون ۱۹۸۸ء کے دوران حکیم محمد سعید نے ماسکو، واشنگٹن، اور لینڈو، نیو یارک، لندن، ٹورانٹو، فرینکفرٹ، اور بون کا سفر کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب وہ خود کو مدینۃ الحکمت کی تعمیر و ترقی کے لیے وقف کر چکے تھے اور وہ اب عالمی کانفرنسوں میں شرکت اور بیرونِ ملک دوروں سے گریز کرنے لگے تھے چنانچہ انھوں نے ۲۷ دنوں کا یہ سفر مدینۃ الحکمت کے لیے کیا اور ماسکو میں انٹرنیشنل یونین فار ہیلتھ ایجوکیشن (پیرس) کی مجلسِ عاملہ میں شرکت اس لیے کی کہ اس یونین کو مدینۃ الحکمت کے طب وصحت کمپلکس کی مدد کے لیے آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ واشنگٹن میں ڈاکٹر سیّد حسنین نصر سے اس لیے ملاقات کی تاکہ ان سے بیت الحکمت میں ڈاکٹریٹ تک تعلیم کے حوالے سے مشورہ کر سکیں۔ اور لینڈو، ورلڈ آف ڈزنی دیکھنے، اس ارادے سے گئے تاکہ مدینۃ الحکمت میں اس طرح کی دنیائے سیر وتفریح قائم کریں۔ نیو یارک سے انھیں بیت الحکمت کے لیے کتابیں خریدنا تھیں۔ غرض اس سفر میں وہ جس جس شہر میں گئے مقصد، مدینۃ الحکمت اور بیت الحکمت کی تعمیر و ترقی تھا۔[۳۸] حکیم محمد سعید کا کوئی سفر خالص سیر وسیاحت کی نیت سے نہیں تھا بلکہ مریضوں کی خدمت، علماء وحکما اور ماہرین سے ملاقاتیں اور دیگر اہم سرکاری و نجی امور، کانفرنسوں، کانگریسوں اور سیمیناروں یا اجلاسوں میں شرکت تھی البتہ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے ان اسفار کے دوران وقت نکال کر یا مدتِ قیام میں کچھ اضافہ کر کے اہم مقامات کی سیر وتفریح بھی کی۔

حکیم محمد سعید کے تمام سفرناموں کا مطالعہ یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے جزو تماشا ہو کر تماشا بیان نہیں کیا۔ ابھی وہ دورانِ سفر جزو تماشا ہونا شروع ہوتے ہی تھے کہ ان کی فکری ونظری اور تربیتی قوت انھیں واپس اپنی سرحدوں میں لے آتی تھیں۔ وہ کبھی بھی اپنی شناخت سے آزاد نہیں ہوئے۔ ان کا طبیب، مسلمان اور پاکستانی ہونا، ہر جگہ مضبوط شناخت بنا رہا۔ البتہ یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے تعصب اور جانب داری کا مظاہرہ نہیں کی، نہ صرف عدل اور رواداری قائم رکھی بلکہ انسان بن کر دیگر انسانوں کو

پہچاننے کا فریضہ انجام دیا۔ سفر، سفرنامے کی شرطِ اوّل اور بنیاد ہے۔ خیالی سفر سے سفری کہانیاں تو وجود میں آسکتی ہیں۔ حقیقی سفرنامے تحریر نہیں کیے جاسکتے۔ حکیم محمد سعید نے جن شہروں اور ملکوں کے سفر کیے وہاں حقیقی طور پر گئے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ان کے سفرناموں میں کچھ معلومات ایسی ضرور ہیں جو کتابوں، رسالوں، کتابچوں، یا پمفلٹوں سے نقل کر کے درج کی گئی ہیں۔ اس عمل میں ادارۂ ہمدرد کے کارکنان ان کی معاونت کیا کرتے تھے۔ اس بات کے ثبوت میں ادارۂ سعید میں موجود وہ سفرنامے ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں جو حکیم محمد سعید کی ہینڈ رائٹنگ میں ہیں۔ یہ سفرنامے ہلکے ہرے رنگ کے کاغذوں پر تحریر ہیں۔ ان میں کہیں کہیں مختلف افراد کے نام نوٹ لکھے ہوئے ہیں کہ یہاں فلاں شہر، جگہ یا ملک سے متعلق معلومات درج کردی جائیں۔ راقم نے اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے سفرناموں کے مسودے خود دیکھے ہیں اور یہ آج بھی وہاں محفوظ ہیں۔

حکیم محمد سعید کے دوسرے سفرنامے ''جرمنی نامہ'' کے بعض حصوں پر اعتراضات اٹھائے گئے تو انھوں نے کھلے دل کے ساتھ ان کی صحت کو قبول کیا لیکن جب ان کے تحریر کردہ سفرنامے ''کوریا کہانی'' کے بعض حصوں اور مندرجات پر شمالی کوریا کی حکومت نے اعتراض اور احتجاج کیا، تو انھوں نے اسے یکسر مسترد کر دیا اور کہا کہ انھوں نے کوئی بات خلافِ واقعہ یا من گھڑت تحریر نہیں کی۔[۳۹]

☆

حکیم محمد سعید کے سفرنامے ''مشاہدے'' کی رنگا رنگی کے اعتبار سے وسیع قرار نہیں دیے جاسکتے۔ وہ ہر اس جگہ نہیں گئے، جہاں اکثر سفرنامہ نگار جانا لازمی سمجھتے ہیں۔ اس کی وجوہ بالکل واضح ہیں۔ ان کے اسفار صرف سیر و سیاحت کی غایت نہیں رکھتے تھے۔ بیرونِ ملک ان کے پاس وقت محدود ہوا کرتا تھا۔ اُن کی ذمہ داریاں انھیں وطن واپس آنے کے لیے مجبور رکھتی تھیں۔

یہاں یہ امتیاز بھی کرنا ہوگا کہ حکیم محمد سعید اور اردو کے دیگر سفرنامہ نگاروں میں بہت فرق ہے۔ ان کی تربیت خاص طور پر مذہبی اور مشرقی ماحول و اقدار میں ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنی ماں کو صبح جاگتے اور رات سوتے وقت جائے نماز پر دیکھا۔[۴۰] بڑے بھائی اور گھر کے دیگر افراد شرافت کا نمونہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مشرقی اقدار خصوصاً کردار کی پختگی اور شرافت، ان کی طبیعت میں رچی بسی تھیں لہٰذا وہ یورپ کے قحبہ خانوں، شراب خانوں، رقص گاہوں، اور سیکس اسٹریٹ پر موجود نہیں ہوتے اور نہ ہی ان کی نگاہیں نسوانی لباسوں اور جسموں کی اسکریننگ کرتی نظر آتی ہیں۔ کسی ایک آدھ سفرنامے میں اس بات کا ذکر ضرور ہے کہ صرف مشاہدے اور معلومات کی غرض سے کسی ''ممنوعہ'' جگہ محدود وقت کے لیے گئے لیکن عملی طور پر کسی بھی غیر مہذب حرکات کے اظہار سے ان کے سفرنامے خالی ہیں۔[۴۱] البتہ ایسا ضرور ہوا کہ حکیم محمد سعید کسی کانفرنس یا اجلاس میں شرکت کی غرض سے گئے اور پھر اس کے خاتمے پر انتظامیہ تمام شرکا کو کسی ایسے مقام پر لے گئی کہ جہاں شراب و شباب اور رقص و سرور کا اہتمام تھا۔ ایسے کچھ مقام و مناظر کا ذکر ان کے سفرناموں میں موجود ہے، لیکن تفصیل اور جنسی چسکے سے مبرا ہے۔[۴۲] اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایسے مقام و محفل میں زیادہ دیر ٹھہرے ہی نہیں اور اپنی طبیعت اور فکر کے حامل دوستوں کے ساتھ اس جگہ سے اٹھ گئے۔[۴۳] دوسرے یہ کہ اگر کچھ دیکھا بھی، تو اس کے تفصیلی بیان سے شعوری اجتناب کیا۔

حکیم محمد سعید کے زیادہ تر مشاہدات ہوائی میدانوں، ہوائی جہازوں، ہوائی میدان سے ہوٹل کے درمیان راستوں، ہوٹلوں یا دیگر قیام گاہوں، کانفرنس ح ہال، طبی مراکز، علمی مراکز، کتب خانوں، جامعات، مساجد اور مقابر وغیرہ سے متعلق ہیں اور وہ بھی بیش تر مختصر ہی ہیں۔ مثلاً:

''کراچی سے فرینکفرٹ تک ہوائی جہاز کی خواتین میزبانوں نے مسافروں کا ایسا خیال رکھا کہ باید وشاید! ناشتا دیا۔ ان کو کھانا دیا۔ پھر بار بار جوس دیا۔ اترنے سے پہلے چائے، سینڈوچ دیے۔ غرض پورے دس گھنٹے یہ خواتین بھاگ دوڑ کرتی رہیں۔ آفرین ہے ان پر۔''[44]

مذکورہ بالا اقتباس بہ مشکل تین چار سطور پر مشتمل اور صرف چند باتوں تک محدود ہے لیکن اس مشاہدے کا دورانیہ دس گھنٹوں پر محیط ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ سیاح نے ان باتوں کے علاوہ کچھ دیکھا ہی نہیں اور اگر دیکھا تو اس نے بتانا پسند نہیں کیا۔ حکیم محمد سعید کے ہم عصر ہر سفرنامہ نگار کے مشاہدے میں ہوائی میدان ضرور آیا ہے اور سب نے اپنے اپنے انداز میں اس کا مشاہدہ بھی تحریر کیا ہے۔ امثال اس لیے دی جا رہی ہیں تا کہ مطالعہ کرنے والوں کے لیے فیصلہ کرنا اور نتائج کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ پہلے، حکیم محمد سعید کے سفرنامے سے ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

''دنیا کے ہوائی میدانوں میں لندن کا ہیتھرو ہوائی میدان بہت بڑا ہے۔ یہاں دنیا بھر سے سیکڑوں ہوائی جہاز، ہزار ہا انسانوں کو لاتے لے جاتے ہیں۔ اس وقت یہ عالم ہے کہ ہر ۳۰ سیکنڈ میں ایک جہاز اترتا یا اڑتا ہے۔''[45]

عطاالحق قاسمی ۱۹۸۹ء میں انجمنِ ترقیٔ اردو، برمنگھم کے مشاعرے میں شریک ہونے کے لیے برطانیہ گئے تھے۔ وہ لندن کے ہوائی اڈے ہیتھرو پر اترے۔ انھوں نے وہاں کا بڑے لطیف پیرائے میں تحریر کیا ہے:۔

''لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر امیگریشن کے سامنے مسافروں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں...... میں نے اپنا وزنی ہینڈ بیگ اپنے پاؤں میں رکھا ہوا تھا، جب قطار ذرا سی کھسکتی تو بیگ کو پاؤں سے آگے گھسیٹ دیتا۔ میرے سامنے والی قطار میں ایک گورا تھا جس سے پرے ایک گوری قطار میں کھڑی تھی۔''[46]

ہوائی میدان کے علاوہ دیگر مشاہدات میں ہوٹل کے مشاہدے بھی سفرناموں میں بہ کثرت ملتے ہیں۔ مثلاً ابن انشا، ۱۹۶۷ء میں انڈونیشیا کے شہر ''بندونگ'' گئے۔ جہاں ایک کانفرنس تھی۔ ان کا قیام اسی شہر کے ہوٹل ''سیوائے ہومان'' میں تھا۔ وہ ہوٹل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''سیوائے ہومان ایک بہت وسیع وعریض عمارت ہے۔ کئی سو کمرے ہوں گے۔ ممکن ہے کسی ولندیزی بزرگ نے بنایا ہو کیوں کہ اندر کا نقشہ مغربی طرزِ معاشرت کا ہے۔ جدید تو بالکل نہیں ہے مگر آرام دہ ہے۔''[47]

مشاہدے کی ایک مثال جمیل الدین عالی کے سفرنامے سے بھی پیش کی جاتی ہے کہ جب وہ نیشنل بینک آف پاکستان کے

ایگزیکٹیو وائس پریذیڈنٹ کی حیثیت سے ایک ٹریننگ کے لیے جنیوا گئے اور جب چند دن فرصت کے ملے تو آئس لینڈ چلے گئے۔ وہ صدر آئس لینڈ کی رہائش گاہ کے بارے میں ایک تاریخی بات تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''ایک چھوٹی سی سفید عمارت نظر آئی پہلے یہ بھی جیل خانہ تھا۔اب یہ صدر آئس لینڈ کی سرکاری قیام گاہ ہے۔ باہر پہرہ نہیں ہے۔ایک بے رونق سی جگہ ہے۔ورکنگ ڈے تھا مگر کوئی موٹر اندر آتی جاتی دکھائی نہیں دی۔اندر معمولی سا پہرہ نظر آیا۔۴۸

علامہ محمد تقی عثمانی اپنے رفقا کے ساتھ ۱۹۸۶ء میں خیبر (سعودی عرب) گئے تھے۔ دیگر جگہوں کو دیکھتے ہوئے ''قلعہ قموص'' بھی پہنچے، جہاں حضرت علیؓ کے ہاتھوں مشہور یہودی پہلوان مرحب کا قتل ہوا تھا۔ وہ اس قلعے کے حوالے سے مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ:

> ''یہ قلعہ اس وقت چھوٹے چھوٹے بوسیدہ پتھروں کا بنا ہوا ہے اور ایک پہاڑی پر واقع ہے اور اس کی فصیل خم کھاتی دور تک چلی گئی ہے اوپر کچھ قدیم عمارتیں بھی بنی ہوئی نظر آتی ہیں...... قلعے کے سامنے چھوٹی چھوی پگڈنڈیاں بل کھاتی ہوئی دور تک چلی گئی ہیں۔''۴۹

ہوٹل کے مشاہدے کی ایک مثال قمر علی عباسی کے سفرنامے سے نقل کی جاتی ہے۔ وہ ۲۰۰۱ء میں ترکی گئے تھے تو انھوں نے وہاں کے مختلف شہروں کی سیاحت کے دوران کپاڈوسیا کے علاقے ابونوس میں موجود ''ہوٹل ارماک'' میں کچھ وقت کے لیے قیام کیا۔ اسے ''ہولی ڈے ریزورٹ'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں عموماً لوگ اپنی چھٹیاں گزارنے آتے ہیں۔ وہ اس ہوٹل کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ: ''استقبالیہ میں کئی لاؤنج تھے۔ایک بار، بڑا ڈرائننگ ہال اور ایک ریسٹورینٹ تھا۔ یہ سب خالی تھے۔شہر سے اتنی دور کون آئے گا۔''۵۰

شفیع عقیل ایران کے سفر کے دوران، شیراز بھی گئے تھے۔ وہ ایئرپورٹ سے شہر جانے والی سڑک کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''یہ عجیب اتفاق ہے کہ ہم پہلے بھی مئی ہی کے مہینے میں شیراز گئے تھے۔ ایئرپورٹ سے شہر جانے والی دس میل لمبی سڑک پر پھولوں کے تختے بچھے ہوئے دیکھ کر یوں گمان ہوتا تھا جیسے صاف وشفاف آسمان پر پھیلنے والی کہکشاں زمین پر بچھ گئی ہو۔''۵۱

فنِ سفرنامہ نگاری میں مشاہدہ نگاری ایک اہم عنصر ہے۔ مشاہدات کی شکل اور نوعیت کی ہزار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک ہی جگہ کے مشاہدات، ہر سفرنامہ نگار کے یہاں مختلف ہو سکتے ہیں۔ انسانی مشاہدہ کیمرے سے کھینچی گئی تصویر نہیں ہے جو تمام کیمروں سے ایک جیسی آئے بلکہ انسانی آنکھ کا مشاہدہ، اس شخص کے فکر ونظر، عمر وتجربے اور ذوق کے ماتحت سفرنامے میں بیان ہوتا ہے۔ مشاہدات کی مذکورہ بالا امثال حکیم محمد سعید، ابن انشا، جمیل الدین عالی، علامہ محمد تقی عثمانی، عطاالحق قاسمی اور شفیع عقیل کے سفرناموں سے درج کی گئی ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر سفرنامہ نگار، اپنے اپنے نقطۂ نظر اور مقاصدِ سفر کے اعتبار سے چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔ سفرنامہ

نگار اپنی نظر سے دیکھی ہوئی ہر چیز کا ذکر نہیں کرتا بلکہ اسے جس سے شغف ہوتا ہے، وہی بات سفرنامے میں بیان کی جاتی ہے۔ اسی حوالے سے جب ہم حکیم محمد سعید کی مشاہدہ نگاری کا تقابل اور دیگر معاصر سفرنامہ نگاروں کی مشاہدہ نگاری سے کرتے ہیں تو وہ دیگر سفرنامہ نگاروں کے ہم پلہ نظر آتے ہیں۔ فرق صرف مشاہدات کے بیان کی، تعداد اور جگہوں کا ہے۔ اُن کے ہاں مشاہدات کی تعداد اور جگہیں محدود اور مخصوص ہیں۔

☆

مشاہدے سے منسلک اردو سفرنامے کا ایک اہم عنصر منظر نگاری ہے۔ حکیم محمد سعید کے سفرناموں میں منظر نگاری کے دو انداز ملتے ہیں۔ ایک مختصر مگر سادہ دوسرا بھرپور اور دل کش لیکن بہ حیثیت مجموعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ تر مناظر مختصر بیان ہوئے ہیں۔ اُن کے سفرناموں میں سیاحت کے مناظر ایسے ہیں کہ نظر پڑی، ہلکی سی جھلک دکھائی دی اور غائب ہو گئے۔ وہ خود بھی بڑی مشکل سے منظر کا حصہ بنتے ہیں اور یہی کیفیت قاری کی بھی رہتی ہے۔ دید کی یہ تشنگی ان کے ہر سفرنامے سے جھلکتی ہے۔ جزوِ تماشا بن کر تماشا بیان کرنے کی کیفیت شاذ و نادر ہی ان کے سفرناموں میں نظر آتی ہے لیکن جہاں بھی انھوں نے منظر نگاری پر توجہ دی ہے، وہاں وہ اردو کے کسی بھی اہم سفرنامہ نگار سے پیچھے نظر نہیں آتے۔ آپ باقاعدہ ادیب یا انشا پرداز نہیں تھے اگر ہوتے تو نہایت دل کش اور دل چسپ نثر لکھتے اور اردو کو ایک اور انشا پرداز مل جاتا۔ چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

> ”سورج نے شام کی سیاہ قبا پر لالے کے پھول مارنے بند کر دیے اور ہر طرف تاریکی پھیلنے لگی، گویا کہ جھیل کی دیوی نے اپنے سیاہ گھنے بال کھول کر ہر چیز کو ان میں لپیٹ لیا۔ کنارے کنارے دور تک لگے ہوئے بجلی کے کھمبوں پر قمقمے روشن ہو گئے اور اب سماں بالکل ہی بدل گیا۔ ۵۲

مذکورہ منظر ”جھیل جنیوا“ کا ہے جب کہ جامعہ برن کا منظر، ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔

> ”جب ہم جامعہ برلن کے شعبۂ طبیعیات میں پہنچے تو موسم میرے نقطۂ نظر سے مجموعی طور پر بڑا خوش گوار تھا۔ کچھ کہر، کچھ بادل، قدرے ٹھنڈی ہوا، کہیں کہیں سورج جھانک رہا تھا۔ بارش تو نہیں ہوئی تھی، تاہم درختوں، پودوں، بیلوں کے پتے بھیگے ہوئے تھے••• سبزہ زار پر کچھ موتی چمک رہے تھے••• میں نے محسوس کرنا شروع کر دیا کہ میرے خون میں اوکسیجن بڑھ رہی ہے۔ ۵۳

حکیم محمد سعید کے یہاں منظر نگاری کی ایک اور دل چسپ مثال ملاحظہ کیجیے:

> ”سامنے منظر بڑا حسین تھا۔ جھیل کے پانی میں بطخیں تیر رہی تھیں۔ انھوں نے اپنے پر پھیلا کر گول کر لیے تھے۔ سامنے کئی بادبانی کشتیاں چل رہی تھیں۔ وہ ذرا بڑی بطخیں معلوم ہو رہی تھیں کیوں کہ ان کے بادبان بھی سفید تھے۔“ ۵۴

مذکورہ بالا منظر جنیوا کی جھیل کا ہے۔ اسی جھیل کا ایک منظر ابن انشا نے اپنے مخصوص اسلوب میں پیش کیا ہے:

> ”ایک زمانہ تھا جب ہم بھی جس چیز کو، جس صورت کو دیکھتے تھے۔ اس پر پھسل پڑتے تھے۔ اب وہ بات نہیں۔ آج

ہی شام جینوا کی جھیل کو بھی چل پھر کر بہ نظر غائر ہم نے دیکھ لیا۔ اس میں ہمیں تو پانی نظر آیا اور کوئی خاص بات دکھائی نہ دی۔" ۵۵

قمر علی عباسی ترکی کی سیاحت کے دوران جب مولانا جلال الدین رومی کے مزار پر پہنچے، تو وہ وہاں کا منظر اس طرح محفوظ کرتے ہیں:

"تمام قبروں کے سرہانے صافے بندھے تھے جو اچھے لگ رہے تھے اور ہمارے لیے ایک نئی چیز تھی۔ اس سے ان کی عظمت اور شان نظر آتی تھی۔ مولانا رومی کے آگے عقیدت مند کھڑے تھے۔ دو عورتیں فرش پر بیٹھی قرآن پڑھ رہی تھیں۔" ۵۶

پیرس کے علاقے شان زالیزے کی منظر نگاری جمیل الدین عالی نے اس طرح کی ہے:

"شان زالیزے قوس وقزاح کی طرح روشن ہے۔ رات کی سردی میں دھند بار بار روشنیوں پر حملہ کرتی ہے۔ کسی اور بازار، کسی اور گلی کی روشنیاں ہوتیں تو سردی کے تھپیڑوں اور دھند اور کہر کی یلغار سے گھبرا کر گل ہو جاتیں مگر یہ شان زالیزے ہے۔ سدا سہاگن، سدا بہار۔" ۵۷

رضا علی عابدی بی بی سی لندن کے لیے ایک دستاویزی پروگرام کی تیاری کے سلسلے میں کوئٹا سے کلکتہ تک ٹرین میں گئے۔ ان کا نقطۂ نظر تھا کہ اگر انسان کو پہچاننا اور سمجھنا ہو تو اس کے ساتھ ریل میں سفر کرنا چاہیے۔ انسانی رشتوں اور محبتوں کو پروان چڑھانے میں ریل کا سفر انتہائی اہم ذریعہ ہے۔ ان کے خیال میں یہ عمل ہوائی جہاز، بس یا کسی رکشہ، ٹیکسی کے سفر کے دوران نہیں ہو سکتا۔ ۵۸ رضا علی عابدی کوئٹا سے سفر کرتے ہوئے بہ ذریعہ ریل پہلے پٹنہ پہنچے اور پھر وہاں سے شہر، کلکتہ۔ ان کی ٹرین جب پٹنہ ریلوے اسٹیشن سے روانہ ہوئی تو راستے میں نظر آنے والے مناظر، انھوں نے بہت عمدگی سے محفوظ کیے ہیں۔

"گاڑی پٹنہ اسٹیشن سے نکلی اور سپاٹ میدانوں میں دوڑنے لگی۔ لڑکے کرکٹ کھیل رہے تھے۔ کھپریل کی چھتوں والے مکانوں میں عورتیں دھوپ میں بیٹھی اپنے سروں کے بال سکھا رہی تھیں۔ تپتی دھوپ میں راہ گیر کچی سڑکوں پر کالی چھتریاں تانے چل رہے تھے۔ راہ میں گاؤں آ رہے تھے اور ان میں ادھوری مسجدیں آ رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے اسٹیشن تیزی سے گزر رہے تھے۔" ۵۹

عطاالحق قاسمی ۱۹۸۹ء ایک مشاعرے میں شرکت کرنے کے لیے لندن گئے تھے۔ ایک روز وہ لندن کی سیر کرتے ہوئے "سوہو" چلے گئے۔ جہاں اس زمانے میں فحاشی و عریانیت اور منشیات کا استعمال اور کاروبار عروج پر تھا۔ جگہ جگہ نشہ بازوں کے ٹولے موجود ہوتے تھے۔ اس علاقے کیا منظر ملاحظہ کیجیے:

"ایک جگہ فٹ پاتھ پر نشہ بازوں کا ایک گروہ آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ ان کے شیو بڑھے ہوئے تھے۔ کپڑوں سے بو کے بھبھوکے اٹھ رہے تھے۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور ان کے ہاتھوں میں شراب کی خالی بوتلیں اور بیئر کے ٹن تھے۔" ۶۰

منظر نگاری میں اردو کے تمام سفر نامہ نگاروں میں شاید ہی کوئی مستنصر حسین تارڑ کا ہم پلہ ہو۔ وہ اس طرح منظر کشی کرتے ہیں، جیسے لفظوں سے منظر کی جزئیات مکمل کر رہے ہوں۔ وہ جزئیات جو شاید قدرت نے مستنصر جیسے سیاح کے لیے نامکمل چھوڑ دی تھیں۔ وہ سفر نامے کے صفحے پر منظر بنا دیتے ہیں۔ اصل سے بھی زیادہ خوب صورت، حسین و جمیل۔ جمالیاتی حسن، قدرت سے زیادہ اس کی دیکھنے والی آنکھ اور محسوس کرنے والے دل میں ہے۔ یہی اس کے سفر ناموں کی ایک بڑی خوبی ہے:

جب میں جنت العریف سے نکلا تو شام ہو رہی تھی۔ بائیں ہاتھ پر کھائی کے بعد قصر الحمرا، چنار کے پتے کی صورت جبل سبیقہ پر بچھا، سورج کی آخری کرنوں سے یوں سرخ ہو رہا تھا جیسے ان کرنوں میں اگر ذرہ برابر مزید حدت ہوتی تو سلگنے لگتا۔ نیچے قدیم غرناطہ کے گلی کوچے ابھی سے تاریک ہو رہے تھے۔"[۱۶]

الغرض حکیم محمد سعید اور دیگر سفر نامہ نگاروں نے اپنے اپنے ذوق اور دست یاب وقت کے مطابق منظر نگاری کی ہے۔ ایئرپورٹ، جھیل جینوا، جوہانسبرگ اور شیراز کی سڑکوں کے مناظر، راہ چلتے کسی سڑک پر یا ٹرین سے دیکھا جانے والا یا کوئی بھی دوسرا منظر اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ سیاح کی آنکھ کیا دیکھ رہی ہے اور وہ خود کیا محسوس کر رہا ہے۔ دیکھے جانے والے مناظر اور محسوس کی جانے احساسات کو بیان کرنے کے لیے سیاح کے پاس وقت کے علاوہ فن بھی ہونا چاہیے۔ وقت اور حسنِ بیان کے بغیر، منظر نگاری میں جان نہیں ڈالی جاسکتی۔

حکیم محمد سعید کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ تنگیِ وقت تھا۔ ان کی مصروفیات اس قدر زیادہ ہوتیں تھیں کہ وہ کسی منظر کو، نہ بھرپور انداز میں دیکھ سکتے تھے اور نہ ہی جمالیاتی اسلوبِ بیان میں تحریر کر سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف چند سفر ناموں میں تو منظر نگاری کے جوہر نظر آ جاتے ہیں مگر اکثر سفر نامے اس فنی جز سے خالی ہیں۔ اُن کے مقابلے میں ان کے ہم عصر سفر نامہ نگاروں کے یہاں وقت کی تنگی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اسی وجہ سے وہ مشاہدے کو محدود نہیں کرتے جب کہ حکیم محمد سعید کی نگاہیں نظر آنے والے، ہر منظر کو غور سے نہیں دیکھتیں۔ ان کی نظروں کی حدود ہیں اور یہ حدود اخلاقیاتِ مشرق اور دینِ سے مشروط ہیں لہٰذا سفر کے دوران دیکھا ہوا، ہر منظر اپنی جزئیات کے ساتھ بیان نہیں ہوا ہے۔ اگر وقت کی تنگی اور دیگر حدود و قیود نہ ہوتیں تو حکیم محمد سعید کے سفر نامے بھی منظر نگاری کے فن کا قابل ذکر نمونہ ہوتے اس لیے کہ انھوں نے جہاں جہاں منظر نگاری پر توجہ دی، وہاں ان کے سفر ناموں میں اُس کے اعلا نمونے موجود ہیں۔

☆

جزئیات نگاری بھی سفر نامے کا لازمی جز ہے۔ سیاح، تجسسی انسان ہوتا ہے۔ اس کی آنکھ ہر منظر کے تمام پہلوؤں کو سمیٹ لینا چاہتی ہے۔ سیاح کی نظر میں سمائے منظر جب صفحاتِ قرطاس پر منتقل ہوتے ہیں تو بعض جگہ منظر نگاری اور جزئیات نگاری کی اعلا مثال بن جاتے ہیں۔ حکیم محمد سعید کے ہر سفر نامے میں ایسا نہیں ہے۔ انھوں نے صرف کچھ جگہوں پر بھرپور جزئیات نگاری سے کام لیا ہے اور ایک ایک شے پر ان کی باریک بین نگاہ پڑی ہے ورنہ زیادہ تر مقامات پر وہ طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے گزر گئے ہیں۔ مشاہدہ

نگاری ہو، منظر نگاری ہو یا جزئیات نگاری، اس کے لیے وقت، توجہ، ذوق اور شوق درکار ہوتا ہے۔ حکیم محمد سعید کی بامقصد اور پیشہ ورانہ زندگی میں ان باتوں کے لیے وقت ہی نہیں تھا کہ وہ سیر وسیاحتی مقامات کو بھرپور انداز میں دیکھتے لطف اندوز ہوتے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ان کے سفرنامے ان کے جذبات کی زبان ہیں۔ یہاں حکیم محمد سعید اور سرسید مماثل ہو جاتے ہیں۔" ٦٢ کیوں کہ دونوں کے مقاصد ایک تھے۔

حکیم محمد سعید کے زیادہ تر سفرنامے ہوائی میدان، ہوائی سفر کے دوران یا ہوٹلوں میں قیام کے وقت تحریر کیے گئے۔٦٣ ابھی ایک سفر اور سفر نامہ تمام ہوتا نہیں تھا کہ دوسرا سفر اور سفر نامہ شروع ہو جاتا تھا۔ وہ اکملیت Perfection کے قائل نہیں تھے۔ بس کام ہوتا رہے اور وقت پر مکمل ہو۔ یہ ان کے نزدیک سب سے اہم تھا۔٦٤ اُنھوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے تو سفر اس طرح بھی کیا کہ وہ ۲۴ گھنٹوں میں کئی کئی ملک پھلانگ گئے یا کسی ملک کے کئی شہر گھوم لیے۔ مثلاً ایک مرتبہ مرسڈیز کار میں صبح لندن سے روانہ ہوئے، چینل عبور کیا، فرانس پہنچے اور پھر فرانس سے چلے تو شام کو بیلجیم میں داخل ہوئے اور پھر جب دوبارہ سفر شروع کیا تو رات ۲ بجے جرمنی جا کر دم لیا۔٦٥ اب تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس تیز رفتار اور مسلسل سفر کے منظر بھی کتنی تیزی سے گزرے ہوں گے اور اگر ان کے بارے میں سیاح لکھنا بھی چاہے تو اس کی نظروں نے کن کن مناظر کی کیا کیا جزئیات محفوظ کی ہوں گی اس کا اندازہ قارئین خود لگا سکتے ہیں۔

حکیم محمد سعید کی زندگی ایک تیز رفتار جھولے پر سوار تھی، جس کا دھارا مسلسل گھومے جا رہا تھا۔ ایک تیز گھومتے ہوئے جھولے سے گرد و پیش پر جس طرح نظر ڈالی جا سکتی ہے وہی کیفیت ان کے سفرناموں میں موجود ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ جب وہ کسی کانفرنس روم، طبی مرکز، علمی مرکز، جامعہ، کتب خانہ یا میوزیم وغیرہ گئے یا ہوٹل یا کسی ہوسٹل وغیرہ میں قیام پذیر ہوئے یا کسی کے گھر بہ طور مہمان ٹھہرے تو انھوں نے گرد و پیش کے منظر پر مفصل نظر ڈالی اور جزئیات کے پیش کرنے کا بھی خاص خیال رکھا مثلاً جب وہ اونٹاریو سائنس سینٹر (ٹورانٹو، کینیڈا) دیکھنے گئے تو اس کا احوال کئی صفحات پر تفصیلی بیان کیا۔٦٦ وہ ایک گھر میں اپنی خاطر تواضع کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں:

- ☆ ڈبل روٹی سادی، ڈبل روٹی کشمش دار، ڈبل روٹی براؤن، ڈبل روٹی بھوسی والی۔
- ☆ دودھ بغیر مکھن والا، دودھ ہاف کریم، دودھ فل کریم۔
- ☆ کوکیز: کئی قسم کے بسکٹ، نمکین، میٹھے، چوکلیٹ وغیرہ۔
- ☆ چوکلیٹ پاؤڈر۔
- ☆ آئس کریم: زاعفرانی، پستے والی، چوکلیٹ، وینائل، بادام وغیرہ۔
- ☆ فواکہات رطبہ: کیلے، سیب، ناشپاتی۔
- ☆ فواکہات یالبعہ: پستے نمکین، بادام، مونگ پھلی وغیرہ۔٦٧

حکیم محمد سعید کی جزئیات نگاری کی ایک اور مثال جس میں انھوں نے ہوٹل کے سوئیٹ کا احوال بیان کیا ہے۔

''سب سے اونچی منزل میں ایک نہیں متعدد سوئیٹ ہیں۔ایک کا دروازہ کھول کر اندر گیا۔جا کر دیکھا تو یہاں پورا گھر ہے۔ایک سونے کا کمرہ ہے۔نہایت آراستہ پیراستہ،نہایت شان دار سنہری پردے،نہایت آب دار بیڈ شیٹ، پلنگ شان دار، نرم نرم بستر، تکیے ایک نہیں کئی کئی۔اس سونے کے کمرے میں ٹیلی ویژن ۳۶ انچ اسکرین کا رنگین، کرسیاں شان دار، صوفے آرام دہ، آگے بڑھے تو ڈریسنگ روم شان دار، ڈریسنگ ٹیبل پر آرائش کی ہر شے موجود، لپ اسٹک، پاؤڈر، درجن بھر خوشبوؤں کی شیشیاں، نیل پالش وغیرہ۔ہاں سونے کے کمرے، ایک نہیں دو ہیں۔
اس سوئٹ میں کھانے کا کمرہ (ڈائنگ ہال) بھی ہے۔شان دار شیشے کی میز، نہایت شان دار چھ کرسیاں، دیواروں پر نہایت نفیس تصاویر (پینٹنگز) ہر کمرے میں یہاں ایک ٹیلی ویژن موجود ہے۔اس سوئیٹ میں شان دار ڈرائنگ روم بھی ہے۔سارا فرنیچر غیر ملکی ہے۔شان دار صوفے، شان دار قالین، شان دار ساز وسامان، ٹیلی ویژن ۳۶ انچ اسکرین کی، ہر کمرے میں ٹیلیفون وغیرہ، کمروں میں جہاں دروازے ہیں۔ان کے سامنے اسکرین ہیں۔ہر اسکرین چاندی کی بنی ہوئی ہے۔اب باتھ روم بھی دیکھنا ضروری ہوا۔ایک باتھ روم کے اندر جا کر دیکھا۔واش بیسن کی ٹونٹیاں سونے کی ہیں۔تولیا لٹکانے کا ہینگر سونے کا ہے۔''۶۸

علامہ محمد تقی عثمانی کے سفر نامے ''جہان دیدہ'' کا جزئیات نگاری کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو ان کے یہاں بھی حکیم محمد سعید کا انداز پایا جاتا ہے۔انھوں نے بھی کہیں کہیں مختصر اور کہیں تفصیلی جزئیات نگاری سے کام لیا ہے۔

''آج کل اس ہال میں ایک میوزیم ہے جس میں عہد قدیم کے بہت سے برتن وغیرہ رکھے ہوئے ہیں۔ایک دیگچی اور چاقو آٹھویں صدی قبل مسیح کا ہے۔ایک نہایت خوب صورت منقش پیالہ جس کا حسن اور رونق آج بھی باقی ہے۔گیارہویں صدی قبل مسیح کا ہے۔درندوں کی ہڈی کی بنی ہوئی آرائشی اشیا سولہویں صدی قبلِ مسیح کی ہیں۔ محلات کے ضمن میں لوہے کے بنے ہوئے اگردان رکھے ہوئے ہیں جو بہترین صناعی کا نمونہ ہیں......''۶۹

مذکورہ بالا مشاہدہ اور جزئیات نگاری شہرِ ممنوعہ کے ایک محل کی ہے اور بہت طویل ہے۔شہرِ ممنوعہ بیجنگ شہر کے تاریخی عجائبات میں سے ہے۔یہ چین کے منگ بادشاہوں کا تعمیر کردہ قلعہ عظیم الشان شاہی محلات کا مجموعہ ہے اور اس میں چھوٹے بڑے ۹۹۹۹ کمرے ہیں۔''۷۰

☆

حکیم محمد سعید کے سفرناموں میں واقعہ نگاری کا عنصر بھی موجود ہے۔یہ واقعات تین طرح کے ہیں۔ایک وہ کہ جن کا تعلق تاریخ سے ہے۔وہ فکری و نظریاتی تھے لہٰذا انھوں نے اسلامی عالمی، تاریخ برصغیر اور موجودہ زمانے سے مشہور شخصیات و واقعات کا انتخاب کیا ہے اور یہ سب ان کی اپنی فکر سے لگا کھاتے ہیں۔وہ سفرناموں میں پکے اور سچے مسلمان، پاکستانی اور انسان دوست نظر آتے ہیں۔انھوں نے دنیا کو اسی نظر سے دیکھا ہے۔نوجوانوں اور نونہالوں کے لیے تحریر کردہ سفرناموں میں بیان کردہ واقعات کا تعلق

متعدد مشہور شخصیات سے بھی ہے مثلاً افلاطون، ارسطو، شیخ سعد حلبی۔ اے، سکندر اعظم ۲ے، ابن رشد ۳ے، علامہ ابوبکر محمد بن احمد ابی سہل سرخسی ۴ے، محمود غزنوی ۵ے، سلطان صلاح الدین ایوبی ۶ے، ابن الہشم، ٹیپو سلطان ۷ے، ابوالکلام آزاد ۸ے، اتاترک ۹ے، حضرت دانیال ۸۰ اور حضرت علیؓ ۸۱ وغیرہم۔

دوسری قسم کے واقعات وہ ہیں جو دورانِ سفر پیش آئے، جنھیں انھوں نے نہایت سلیقے سے بیان کر دیا۔ ان واقعات سے انھوں نے انسانوں اور قوموں کی عادات واطوار اور اخلاق پر روشنی ڈالی ہے اور تجزیہ کیا ہے کہ انسانی ترقی وزوال کے اسباب کیا ہوتے ہیں مثلاً میکسیکو کے پروفیسر ایوان ایلچ سے ملاقات اور دوستی کا واقعہ ۸۲ کراچی میں منعقدہ عالمی سیرتِ نبویؐ کانگریس کے واقعات ۸۳ اور کتاب ''المناظر'' کی تلاش اور اشاعت کا واقعہ ۸۴ ان کے سفرناموں میں بیان کردہ واقعات بہت معمولی نوعیت کے بھی ہیں مثلاً جوتے کی ایڑی ٹوٹنے کا ذکر ۸۵ اور بہت اہم بھی مثلاً دورانِ حج اپنے بے ہوش جانے اور بیٹی سعدیہ راشد سے بچھڑ جانے جیسے واقعات ۸۶ وغیرہ۔

تیسری قسم کے واقعات، ان کے حالاتِ زندگی اور ماضی سے متعلق ہیں۔ ہزارہا واقعات ہیں۔ زندگی حالات وواقعات سے بھری ہوئی ہے۔ ان میں سے بیش تر واقعات کا ذکر سفرناموں میں موجود ہے۔ کچھ واقعات تواتر سے دہرائے گئے ہیں۔ نونہالوں اور نوجوانوں کے لیے تحریر کردہ سفرناموں میں ایسے واقعات کی کثرت ہے مثلاً دہلی کی جائیداد کا معاملہ ۸۷ دہلی سے کراچی ہجرت ۸۸ ابتدائی عمر میں ارضِ حجاز جانے کا واقعہ ۸۹ عارضۂ قلب کے واقعات ۹۰ اور اپنے لباس کی اہانت کا واقعہ ۹۱ وغیرہ۔ اگر ایسے واقعات کی فہرست تیار کی جائے تو کثیر صفحات پر مشتمل ہوگی۔ خصوصاً ''دہلی میں تین دن'' اور ''دہلی کی سیر''، یہ دو سفرنامے حکیم محمد سعید کی زندگی کے واقعات سے مزین ہیں اور آپ بیتی کا مزہ دیتے ہیں۔

عالمی تاریخ سے متعلق واقعات ہوں یا اسلامی تاریخ یا عظیم مسلم شخصیات کا ذکر۔ تاریخ برصغیر وتحریک پاکستان ہو یا ذاتی زندگی سے وابستہ واقعات یا پھر دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات، انھوں نے تمام واقعات کو اپنی فکری سپورٹ میں استعمال کیا۔ حکیم محمد سعید واقعہ نگاری کے فن سے واقف تھے۔ وہ انھیں پیش کرنا جانتے تھے اور اس سے دل چسپی بھی خوب پیدا کرتے تھے۔ اس فن میں وہ کسی دوسرے سفرنامہ نگار سے پیچھے نظر نہیں آتے۔

عطاالحق قاسمی بھی اپنے سفرناموں میں واقعہ نگاری کا فن بھرپور انداز میں استعمال کرتے ہیں۔ ان کا طرزِ بیان بھی اکثر ابن انشا کی طرح پُر مزاح ہو جاتا ہے لیکن بعض جگہ انھوں نے نہایت سنجیدہ واقعہ نگاری بھی کی ہے مثلاً برمنگھم میں قیام کے دوران، ایک رات کا واقعہ بیان کیا ہے کہ جب وہ، اکرم چغتائی، ڈاکٹر صفی حسن، خالد احمد اور طارق کے ساتھ تھے اور ایک سڑک پر پیدل چل رہے تھے کہ درختوں کے نیچے کھڑی چار خوب صورت میموں نے انھیں آوازیں دینا شروع کر دیں۔ بزنس لو (Business Love)۔ اس واقعے کو اپنی مکمل صورت میں عطاالحق قاسمی نے تحریر کیا ہے۔ ۹۲ حکیم محمد سعید کے ہم عصر سفرنامہ نگاروں میں واقعات کے بیان کے

حوالے سے مستنصر حسین تارڑ بھی بہت اہم ہیں۔ اُن کے یہاں واقعات کا بیان سطحی نہیں ہے بلکہ وہ واقعے کو اس کی جزئیات، پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ تحریر کرتے ہیں۔ حکیم محمد سعید کی طرح انھوں نے بھی اپنی زندگی کے کئی واقعات، ایک سے زائد سفرناموں میں بیان کیے ہیں۔ مثلاً جرمنی کے شہر فرائی فراگ میں کیمپنگ کا واقعہ۔ اس کیمپنگ کے دوران نوعمر مستنصر کی حالت بہت غیر اور موسم سخت مخالف تھا۔ بھوک کے مارے اس کا حال فاقہ زدہ چوہے جیسا ہو گیا تھا۔ اس ناگفتہ بہ حالات میں ایک عمر رسیدہ امریکی جوڑے کا اسے کھانا کھلانا، مستنصر کو ہمیشہ یاد رہا۔۹۳ اسی طرح سے اپنے ملک کے پہلے سفر کے دوران، جب اس کی عمر صرف ۱۷ برس تھی اور وہ کراچی سے ایمسٹرڈیم جا رہے تھے۔ اس ہوائی سفر میں انگریزی زبان سے نابلد مولانا، اس کے ہم سفر تھے۔ غرض یہ کہ، کہ موصوف کے بارے میں بھی مستنصر نے کئی سفرناموں میں تحریر کیا ہے۔۹۴

حکیم محمد سعید کے سفرناموں میں بیان ہونے والے وہ واقعات بھی ہیں جو ہر سیاح کو دورانِ سفر، کم و بیش پیش آتے ہیں مثلاً اچانک اور غیر متوقع واقعات جیسے یوسف خان کمبل پوش، جمیل الدین عالی اور ابن انشا کے لٹنے اور لڑنے بھڑنے کے واقعات یا عطا الحق قاسمی کے پیچھے طوائفوں کا لگ جانا۔ ہوٹلوں میں انتظامیہ اور ویٹروں کا رویہ، ہوائی میدان اور ہوائی جہاز کے اندرونی واقعات وغیرہ۔ اس طرح کے کچھ واقعات سے اُن کو سامنا بھی ہوا لیکن چوں کہ ان کے سفر و قیام کی نوعیت مختلف ہوتی تھی لہٰذا بہت سے ایسے واقعات، جو گلی کوچوں، نائٹ کلبوں اور سیکس اسٹریٹ پر گھومنے پھرنے والے پاکستانی سفرنامہ نگاروں کو پیش آئے۔ وہ ان سے بچے رہے۔ البتہ انھوں نے ایسے واقعات کثرت سے بیان کیے ہیں، خصوصاً نونہالوں اور نوجوانوں کے لیے تحریر کردہ سفرنامے تو اس طرح کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ ان کے ہم عصر سفرنامہ نگاروں میں علامہ محمد تقی عثمانی اس ضمن میں کسی قدر، ان کے ہم رکاب نظر آتے ہیں جب کہ ابن انشا، جمیل الدین عالی، رضا علی عابدی، شفیع عقیل اور مستنصر حسین تارڑ وغیرہم کے ہاں کم ہیں۔

☆

حکیم محمد سعید کا دعوا تھا کہ انھوں نے تقریباً ۵۰ لاکھ انسانوں کا طبی معائنہ کیا۔۹۵ وہ اپنے مطب تک محدود طبیب نہیں تھے۔ ملکی و غیر ملکی سینکڑوں دورے کیے۔ اقوامِ عالم کے لاکھوں انسانوں کو دیکھا۔ ان سے گفتگو کی۔ وقت گزارا۔ بعض افراد سے بہت قربت بھی رہی۔ بصارت اور بصیرت بہت تیز اور گہری تھی یہی وجہ ہے کہ اُن کے سفرناموں میں شخصیات کا ذکر بہت زیادہ ہے کیوں کہ اسفار کی وجہ سے بے شمار انسانوں سے ملاقات رہی مگر ان کا ظاہری حلیہ یا وضع قطع، انھوں نے بیان نہیں کی۔ اگر کسی شخص کے بارے میں تحریر بھی کیا تو نہایت مختصر گو کہ اس سے سفرنامے کے فن پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بس تشنگی سی رہ جاتی ہے۔ مثلاً: وہ رقم طراز ہیں کہ: ''پروفیسر ڈاکٹر ہان ہولز ماہر ارضیات ہیں نہایت زیرک انسان ہیں۔ زیرک تر اس لیے کہ ان کے دل و دماغ تعصب کی آلائش سے پاک ہیں، وہ انسان ہیں اور دنیا کے ہر انسان کو احترام دیتے ہیں۔''۹۶ اس طرح ملکِ شام کے ایک اسکالر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: ''نورانی چہرہ، فرنچ کٹ ڈاڑھی مونچھیں، ان کی اہلیہ ان کے ساتھ۔''۹۷ اور جنیوا میں بھارت کے کونسلر مسٹر ایلیگذ کے حوالے سے

بھی وہ مختصراً یہ فرماتے ہیں کہ: ''نوجوان آدمی ہیں۔عمر ۳۵ سال سے زیادہ نہیں ہے۔آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ بھرا ہوا۔کشادہ پیشانی۔بات میں تحکم ہے۔لہجہ تیز ہے لیکن خوش اخلاق اور باتمیز ہیں۔'' ۹۸

رومانیہ کی ڈاکٹر آنا اسٹین سے کیوبیک (کینیڈا) میں ملاقات ہوئی۔ان کے بارے میں بھی اختصار کو پیشِ نظر رکھا۔لکھتے ہیں کہ: ''ماہرِ امراضِ نفسیات ہیں۔نیویارک میں پریکٹس کرتی ہیں۔بُڑھیا ہیں مگر رنگین ہیں۔لباس شوخ، سولہ سنگھار، ناز وادا جوانوں کی سی، علمی قابلیت کا حال خدا ہی جانے۔ملنسار ہیں۔'' ۹۹

اس صورت حال میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ قیافہ شناس تھے۔حلیے اور چہرے مہرے سے انسان کے باطن میں جھانک لیتے تھے۔انھوں نے کسی بھی شخصیت کے بارے میں تحریر کرتے ہوئے اسے بہ حیثیت انسان پرکھا۔علاقہ، زبان، نسل، عقیدہ اور مذہب کے تعصبات کو قریب نہیں آنے دیا۔اس لیے شخصیت نگاری انھوں نے ظاہر سے زیادہ باطن کو مدِ نظر رکھا۔

ابن انشا، جمیل الدین عالی یا رضا علی عابدی وغیرہ سب کی شخصیت نگاری کا انداز ذرا سے فرق کے ساتھ ایک جیسا ہی ہے۔سب کی نظر ظاہر پر جاتی ہے۔چہرے کے خط و خال، جسمانی ہیئت اور لباس مرکزِ نگاہ ہوتا ہے۔عادات واطوار قلم بند کی جاتی ہیں۔غرض ظاہر کا وہ انداز جو بیان کے قابل ہو، تحریر کرلیا جاتا ہے۔طرزِ تحریر یا اندازِ بیان، صاحبِ سفرنامہ پر منحصر ہے۔سنجیدہ اور پرمزاح کچھ بھی ہوسکتا ہے۔مثلاً عطاالحق قاسمی جب ۱۹۸۹ء میں لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پر پہنچے اور امیگریشن کے مراحل سے فارغ ہوکر باہر نکلے تو ان کے استقبال کے لیے بخش لائل پوری، ڈاکٹر صفی حسن، عاشور کاظمی اور باقر نقوی آئے ہوئے تھے۔ان لوگوں کے بارے میں عطاالحق قاسمی نہایت دل چسپ انداز میں تحریر کرتے ہیں۔اُن کا یہ اسلوب فطری ہے، شگفتگی اُن کے مزاج کا حصہ ہے۔کام یاب سفرنامے میں یہ انداز بہت اہمیت رکھتا ہے:

> ''بخش لائل پوری عمر ساٹھ کے قریب، چہرے پر عینک، بالوں میں خضاب، اردو بولتے ہیں تو پنجابی لگتے ہیں، پنجابی بولتے ہیں، تو بہت پنجابی لگتے ہیں۔ڈاکٹر صفی حسن عمر اڑتالیس کے قریب، پرانی انڈین فلم کے رومانٹک ہیرو دکھائی دیتے ہیں۔
>
> عاشور کاظمی، عمر پچپن کے قریب، چہرے پر عینک، دلیپ کمار کے انداز میں ماتھے پر بالوں کی لٹ، بہت عرصے تک لاہور میں رہے۔جب وہ لاہور کو یاد کرتے ہوئے پنجابی بولتے ہیں تو لاہور میں ان کا قیام مشکوک سا لگتا ہے۔'' ۱۰۰

حکیم محمد سعید کے ہم عصر سفرنامہ نگاروں میں مستنصر حسین تارڑ، جو بلاشبہ دنیا میں خوب گھومے پھرے ہیں۔ان گنت افراد سے میل ملاپ رکھا ہے۔انھوں نے زبان و بیان پر دسترس اور وقت کی فراوانی کی وجہ سے سفرنامہ نگاری کے تمام فنی پہلوؤں پر بھرپور توجہ دی اور ایک نئے رجحان کا اضافہ کرتے ہوئے سفرنامے کو، رومانوی داستان بنا دیا۔اُن کے سفرنامے سے شخصیت نگاری کی ایک دل چسپ مثال ملاحظہ کیجیے:۔

> ''پانچ رہائشی کمروں پر مشتمل پانسیاں ریو کا بوڑھا مالک ایک ڈھیلی ڈھالی پتلون اور گندی بنیان میں وقوع پذیر،

ڈرائنگ روم میں کھڑا ایک ایسے آئینے کے سامنے شیو بنا رہا تھا جسے اگر الٹا لٹکا دیا جاتا تو شاید صورت صاف دکھائی دیتی۔"[۱۰۱]

اردو سفر نامہ نگاروں نے سفرناموں میں بہترین اور مختصر خاکے بھی تحریر کیے ہیں۔ بعض جگہ تو صرف چند سطور ہی میں ایسی شخصیت نگاری کی کہ قاری اس شخصیت سے ملاقات کا خواہش مند ہو جائے۔

بہر حال یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکیم محمد سعید کے سفرناموں میں بھی شخصیت نگاری کے وہی انداز اور معیارات ہیں جو دیگر ہم عصر سفر نامہ نگاروں کے سفرناموں میں نظر آتے ہیں اسی وجہ سے اُن کی فنی مہارت میں ایک انچ کی کمی نظر نہیں آتی۔

☆

داخلیت کے اعتبار سے حکیم محمد سعید کے سفرناموں کا معیار ایک سا ہے۔ صرف فکر اور احساس کے زاویوں کا فرق ہے۔ انھوں نے دورانِ سفر اگر کسی غیر قوم کی کوئی خوبی دیکھی تو اسے دل کھول کر سراہا اور اگر اپنی کوئی کوتاہی نظر آئی تو اس پر گرفت کی۔ اُن کا قلب، ذہن اور ضمیر سب روشن اور کشادہ تھے۔ ان کے سفرنامے ان کی ظاہری و باطنی شخصیت کا آئینہ ہیں۔ اُن کے سفرنامے آپ بیتی اور جگ بیتی کا حسین امتزاج ہیں۔ ان کی داخلی کیفیت رنگ دکھاتی ہے مگر مذکورہ چند نکات سے مشروط ہو کر۔

اردو سفر نامہ نگاری میں، یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ مشاہدہ صرف رپورٹنگ تک محدود نہ ہو بلکہ خارجیت کے ساتھ داخلیت بھی ہو۔ حکیم محمد سعید کے تمام سفرناموں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مشاہدے میں خارجیت کی باریک بینی کے ساتھ ساتھ داخلیت کا احساس نہایت گہرا اور پر اثر ہے۔ ان کی بصارت اور بصیرت دونوں میں مضبوط رشتہ تھا۔ نظر آنے والا ہر منظر، اپنی تمام جہات، جزئیات اور احساسات کے ساتھ دل کے نہاں خانوں میں اتر جاتا اور پھر فکر و نظر کی کسوٹی پر پرکھے جانے کے بعد، قلم کی زبان پر وارد ہوتا یوں قاری، اُن کی نگاہ سے مختلف مناظر دیکھتے ہوئے، ان کے احساسات و جذبات سے بھی واقفیت حاصل کرتا چلا جاتا ہے

حکیم محمد سعید نے اس قدر سفر کیے کہ دنیا کفِ دست بن گئی۔[۱۰۲] وہ دنیا میں جہاں بھی گئے، وہاں کی اقوام سے پاکستانیوں اور مسلمانوں کا تقابل کیا۔ اپنی کوتاہی دیکھی تو دکھے دل سے قبول کی۔ درستی کے مشورے دیے۔ دیگر اقوام کی برائیاں دیکھیں تو ان سے سبق حاصل کیا اور بچنے کی تلقین کی۔

سفر، انسان کے قلب و نظر کو کشادہ کرتا ہے۔ حکیم محمد سعید کی فکری داخلیت کے ہمہ جہت پہلو ہیں انھوں نے اپنے ہر مشاہدے میں انھی کو کھوجا ہے اور ان بنیادی ستونوں کو سامنے رکھ کر ہی عالم گیر معاشرتی عمارت کی تمام جزئیات کو سمجھا اور سفرناموں میں بیان کیا ہے۔ جنیوا میں ریڈ کراس کے صدر ڈاکٹر ایرک سے ملاقات کے بعد، اس عالمی فلاحی انجمن کے حوالے سے ان کے جذبات، داخلیت کی اعلا مثال ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں کہ:

"ساڑھے پانچ بجے یہ سلسلۂ ملاقات ختم ہوا۔ اس بین الاقوامی انجمن نے جو انسانی خدمات انجام دی ہیں اور دے

رہی ہے۔ وہ یقیناً قابلِ تعریف ہیں چنانچہ دل و دماغ پر مرتسم ہو جانے والے اثرات کے ساتھ ہم وہاں سے رخصت ہوئے۔ یادوں کے چراغ میرے نہاں خانۂ قلب میں روشن ہو گئے۔ بے چینی میں قدرے اضافہ ہو گیا۔ سوچ کی نگری میں پہنچ کر اکثر منصوبے بناتا ہوں کہ مجھے بھی مرنے سے قبل انسان دوستی کا کوئی کارنمایاں انجام دینا چاہیے۔''۱۰۳

ایک اور مثال:

''حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے مزار پر آ کر میرے دل کو بڑا سکون ہوا۔ مجھے لگا جیسے میں روشنیوں میں نہا رہا ہوں۔ مجھ پر لطف و کرم ہو رہا ہے۔ میں ادب کے ساتھ مزار کے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ قرآن پاک کی تلاوت کی، فاتحہ پڑھی، پھر آنکھیں بند کر کے دل کھول کے بڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ مدینۃ الحکمت کا خیال دل میں آ گیا۔ بے قرار ہو گیا۔''۱۰۴

حکیم محمد سعید اور علامہ محمد تقی عثمانی فکری اعتبار سے نسبتاً قریب تھے۔ علامہ تقی استنبول ترکی میں قیام کے دوران اپنے میزبان کے ہم راہ توپ کاپے سرائے میوزیم دیکھنے گئے۔ یاد رہے کہ اس میوزیم کا ذکر حکیم محمد سعید کے سفرناموں میں بھی ملتا ہے۔ علامہ نے سلاطین آلِ عثمان کے زیرِ استعمال اشیا کا مشاہدہ کیا جو خالص سونے، چاندی سے بنی ہوئی تھیں اور جواہرات سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ ان اشیا کو دیکھتے ہوئے انھیں خیال آیا کہ انسان مال و زر کے لیے دوسرے انسانوں کے گلے کاٹتا ہے اور اپنی تمام توانائیاں دولت اور اقتدار کے حصول پر خرچ کر دیتا ہے لیکن موت آنے پر یہ سب کچھ اسی دنیا میں دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے۔ اگر انسان اپنی زندگی کے منصوبے بناتے ہوئے اس حقیقت کو یاد رکھے تو دنیا کے تمام جھگڑے ختم ہو جائیں اور دنیا تمام انسانوں کے لیے، گل و گلزار بن جائے۔۱۰۵

حکیم محمد سعید کے ہم عصر سفرنامہ نگار رضا علی عابدی کے سفرناموں میں بھی داخلیت کا عنصر موجود ہے۔ انھوں نے اپنے ایک سفرنامے ''جہازی بھائی'' میں، ان ہندوستانی مسلمانوں کی الم ناک داستان بیان کی ہے جو کبھی سپاہیوں اور مزدوروں کی حیثیت میں ہندوستان سے ماریشس لائے گئے تھے اور پھر کبھی انھیں وطن جانا نصیب نہیں ہوا۔ وہ ان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

''آج میری چشمِ تصور دیکھ رہی ہے کہ وطن سے نکلے ہوئے بوڑھے سپاہی، سجدوں میں گر جاتے ہوں گے تو ان کے سجدے طویل ہو جاتے ہوں گے اور جب وہ سر اٹھاتے ہوں گے تو ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوتی ہوں گی''۔۱۰۶ (مزید مطالعے کے لیے ''جہازی بھائی'' کے صفحہ ۳۷، ۳۸، ۳۹ اور ۴۲ بھی ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں)

دیکھا جائے تو رضا علی عابدی کا یہ سفرنامہ مکمل طور پر ان مظلوم ہندوستانیوں کے دکھ کے نام معنون ہے جو جبراً جلاوطن کیے گئے اور حالتِ غلامی میں، ماریشس میں رہے۔

حکیم محمد سعید بھی انسانوں کے غموں پر دکھی ہونے والے شخص تھے۔ انھوں نے بھی سفرناموں میں غلامی، جبر اور استحصال کے

خلاف بہت لکھا ہے۔ سفرنامہ ''ڈیلفی سے سونے کی کان تک'' میں میتھا ئین (ٹینس کا مشہور کھلاڑی) کی پوری کہانی تحریر کی ہے۔ جبرو استحصال اور غلامی کا شکار یہ کھلاڑی اور اس کا گھرانہ جوہانسبرگ سے دس میل دور سیاہ فام افریقیوں کی ایک بستی سے تعلق رکھتا تھا۔

عطاالحق قاسمی کے سفرنامے بھی داخلیت کے احساس سے خالی نہیں ہیں۔ وہ ۱۹۸۹ء میں لندن میں بخش لائل پوری کے گھر ٹھہرے تو قیام کی پہلی رات انھیں اپنے گھر والوں کی یاد نے بے قرار کر دیا۔ لائل پوری نے انھیں مشورہ دیا کہ اپنے گھر فون پر بات کر لیں۔ عطاالحق قاسمی تحریر کرتے ہیں:

''میں نے گھر اپنی خیریت کی اطلاع دی اور پھر پرسکون ہو کر چار پائی پر لیٹ گیا۔ یہ کون سے رشتے ہیں جو انسان کی آزادیاں سلب کرتے ہیں مگر پھر بھی اتنے عزیز ہوتے ہیں۔''۱۰۷

ابن انشا کے سفرناموں ''دنیا گول ہے''، ''آوارہ گرد کی ڈائری''، ''چلتے ہو تو چین کو چلیے'' اور ''ابن بطوطہ کے تعاقب'' میں کو پڑھتے ہوئے، ابن انشا، بے فکر اور کھلنڈرے لگتے ہیں۔ ہر سطر میں مزاح کے شگوفے کھلے ہوئے ہیں مگر اس ہنستے مسکراتے ابن انشا کا دل بھی درد سے خالی نہیں تھا۔ وہ ایمسٹرڈیم کے ایک ہوٹل میں مقیم تھے۔ رات بھر شہر میں بارش ہوتی رہی، صبح کے پانچ بجے کے قریب انھیں باہر سڑک پر کسی کے گانے کی آواز سنائی دی۔ تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھتری تانے گانا گا رہے تھے۔ آواز میں ابلتی جوانی اور بے فکری تھی۔ انھوں نے اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر، ان نوجوانوں کو دیکھا تو دل کے کئی نہاں خانے کھل گئے۔ وہ اس وقت کے تاثرات کچھ یوں رقم کرتے ہیں کہ:

''دل کو کئی کہانیاں یاد آ کر رہ گئیں۔ اے بے قرار رو! ہم تمھارے ہیں۔ تمھارے ساتھ ہیں۔ اب ہم نے دریچہ بند کر لیا۔ کمرے کا بھی، دل کا بھی، آنکھوں کا بھی۔ جانے وہ لوگ برستے پانی میں کہاں رخصت ہو گئے۔ دوبارہ آنکھ کھولی تو سناٹا تھا۔''۱۰۸

فطری سیاح کے دل کے نہاں خانے بند نہیں ہوتے البتہ ان پر ایک ایسی کہر اور دھند چھائی ہوئی ہوتی ہے کہ جس کی وجہ سے ان میں ہر وقت جھانکا نہیں جا سکتا لیکن کبھی کبھی کسی منظر، واقعہ یا سانحہ کی وجہ سے دھند چھٹ جاتی ہے اور نہاں خانے سفرنامے میں عیاں ہو جاتے ہیں اور پھر ان میں دور تک دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً حکیم محمد سعید نے اپنی بیوی کی وفات کے بعد ایک سفرنامے میں ان کی محبت اور رفاقت کے حوالے سے ایک نثری نظم تحریر کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے کس قدر محبت کرتے تھے۔ یہ نظم بہ عنوان ''نعمت بیگم'' سفرنامہ درونِ روس (دید و شنید) کے صفحہ ۳ پر موجود ہے۔

جمیل الدین عالی ماسکو جاتے ہوئے (۱۹۸۲ء) ایک رات دہلی میں رکے تھے۔ وہ دہلوی تھے۔ انھوں نے پیدائش سے جوانی تک کا زمانہ دہلی میں گزارا تھا۔ اس شہرِ نگاراں میں ان کے پرکھوں کی ہڈیاں دفن تھیں۔ دہلی میں قیام کی رات وہ شہر کے ان حصوں میں گئے، جن سے ان کی یادیں وابستہ تھیں۔ اپنے گھر بھی گئے جہاں اب ہندو شرنارتھی قبضہ کیے بیٹھے تھے۔ وہ گھر جو تقسیم سے قبل، ان

کے گھر والوں کے قہقہوں سے گونجتا تھا۔اس رات، وہ اس کے درودیوار کو چھو بھی نہیں سکتے تھے۔ وہ اس موقعے پر اپنے داخلی جذبات و احساسات کو اپنے سفرنامے میں محفوظ کردیتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

''میرے گھر میں ہندو شرناتھی بیٹھے ہیں۔ میری ننھیال و ددھیال اجڑ چکی ہے۔ میرے دوست یا مارے گئے یا بھاگ گئے۔ کاش میں ماسکو نہ جاتا، کسی لاش کے سرہانے کھڑا رہنا کوئی خوش گوار بات نہیں۔''۱۰۹

حکیم محمد سعید بھی دہلوی تھے۔ ان کے پہلے سفرنامے ''یورپ نامہ'' پر توان کا نام بھی حکیم محمد سعید دہلوی ہی چھپا ہوا ہے، لیکن ان کی اور جمیل الدین عالی کی ہجرت میں نمایاں فرق ہے۔ وہ اپنی خواہش اور پسند سے دہلی چھوڑ کر کراچی آئے تھے۔ دہلی میں آج بھی ان کا خاندان موجود ہے بلکہ روز بہ روز ترقی کررہا ہے۔ ادارۂ ''ہم دم'' (وقف) ہندوستان کا ایک بڑا طبی وفلاحی ادارہ ہے۔ حکیم محمد سعید کے بڑے بھائی حکیم عبدالحمید کسی زمانے میں ہندوستان کے پچاس، بااثر افراد میں شمار ہوتے تھے۔ اُن کے پاکستان آنے کے بعد جب بھی دہلی گئے تو ان کے بڑے بھائی اور ادارۂ ''ہم دم'' کی وجہ سے، دہلی ایئرپورٹ سے لے کر گھر تک ان کے ساتھ وی آئی پی سلوک ہوا اور وہ دہلی میں اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہے جب کہ جمیل الدین عالی کی ہجرت جبری تھی۔ گھر چھن گیا۔ دوست مارے گئے۔ گھرانہ اپنی صدیوں پرانی جڑوں سے اکھڑ گیا۔ لہٰذا ان کا احساس حکیم محمد سعید کے مقابلے میں بالکل جدا ہے۔ حکیم محمد سعید بھی کراچی آنے کے بعد کئی مرتبہ دہلی گئے۔ انھیں کراچی کے بعد دہلی ہی سے بہت محبت تھی۔ زندگی کے ۲۷ حسین اور یادگار سال انھوں نے دہلی میں گزارے تھے۔ ان کی نال وہیں کی خاک میں گڑی تھی۔ بزرگوں، ماں باپ کی قبریں اور بے شمار یادیں سب دہلی میں تھیں لہٰذا جب بھی دہلی گئے، تو اس کے کوچہ و بازار سے ضرور باتیں کرنے نکلے۔ جس میدان میں بچپن میں گلی ڈنڈا کھیلا تھا، عمرِ عزیز کے ۶۷ ویں سال بھی بچپن کی یادوں کو تازہ کرنے کے لیے اسی میدان میں گلی ڈنڈا کھیلا۔ ان کی یہ یادگار تصویر ان کے سفرنامے ''دہلی کے سیر'' کے صفحہ نمبر ۳۵ پر محفوظ ہے اور ان کے باطنی احساس کا پتا دیتی ہے۔ داخلیت/ناسٹیلجیا حکیم محمد سعید اور جمیل الدین عالی کی طرح مستنصر کے سفرنامے ''نیویارک کے سو رنگ'' میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ سفرنامہ انھوں نے اپنی عمرِ عزیز کے اس حصے میں تحریر کیا جب بچپن اور جوانی کی یادوں کا دامن پکڑنے کی خواہش بہت تیز ہوجاتی ہے

یہی وجہ ہے کہ نیویارک میں تاروں کو جوڑ توڑ کر ایک پیچیدہ شکل دینے والے شخص کو دیکھ کر اسے انارکلی لاہور کا وہ شخص یاد آجاتا ہے جو اس کے بچپن میں ایسا ہی تاروں سے بنا ڈیزائن فروخت کرتا تھا اور وہ آٹھ آنے کا اس سے خریدتا اور پھر گھر آکر اسے کھولنے اور بنانے میں دیر تک ہلکان ہوتا رہتا مگر تاروں کی وہ بھول بھلیاں اس کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔۱۱۰

☆

حکیم محمد سعید ظاہری وضع، پیشہ ورانہ منصب، عہدے اور لباس سے نہایت سنجیدہ و متین نظر آتے تھے۔ علمی مرتبہ حقیقتاً بہت

بلند تھا۔ فکر رسا تھی۔ لیکن طبیعت میں شوخی بھی تھی اور یہ شوخی بذلہ سنجی بن کر سفر ناموں کے صفحات پر نظر آتی ہے۔ طنز و مزاح کی چاشنی ان کے سفر ناموں کی سنجیدہ اور خشک فضا میں اکثر قاری کے منہ کا ذائقہ بدل دیتی ہے اور وہ مسکرا دیتا ہے۔ آپ کے ابتدائی سفر ناموں میں یہ کیفیت زیادہ ہے۔ ترکی زبان میں ایک سالن کا نام ''کادن بودوہے'' ترجمہ ''عورت کی ران'' ہے۔ یہ کوفتے سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ حکیم محمد سعید نے انقرہ میں، سیّد برکات احمد کے گھر یہ ڈش تناول کی۔ وہ اس کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ہمارے ملک کے ایک مشہور سالن ''کوفتے'' سے ملتے جلتے کھانے کو ترک لوگ ''عورت کی ران'' کیوں کہتے ہیں۔ گول ہونے کے اعتبار سے کسی اور چیز سے بھی تشبیہ دی جا سکتی تھی۔''[۱۱]

اس طرح مزاح کی متعدد امثال، حکیم محمد سعید کے سفر ناموں میں ملتی ہیں مثلاً:

> ''مرض سرطان تشخیص ہوا تھا۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں تھا۔ بارے نقوی صاحب کو مایوس کر دیا گیا تھا۔ وہ آخری رسوم کے لیے پاکستان آ گئے تھے۔ سوچا مرنا ہے ہی، چلو ذرا حکیم محمد سعید سے بھی علاج کرا لیں''۔[۱۲]

حکیم محمد سعید معصومانہ انداز میں ایسی بات تحریر کر جاتے ہیں کہ جس سے اردو مزاح نگاری کے دامن میں پہلے سے موجود ذخیرے میں، مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ان کی تحریر میں طنز کی بات ہے، تو وہ بہت تیز نشتر ہے۔ ایسا گہرا گھاؤ لگاتا ہے کہ قاری اس مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے، جہاں اصل خرابی یا بیماری موجود ہے۔ اصل میں وہ افراد، اداروں، حکومتوں اور معاشروں کے چہرے پر پڑا خوش نما نقاب نوچ کر پھینک دیتے ہیں اور اس کے پیچھے چھپا مکروہ چہرہ دکھاتے ہیں۔ طنز میں ان کے اہداف بہت واضح اور وسیع ہیں۔ ان کی فکر و نظر جہاں جہاں تک گئی، انھوں نے خامیاں اور خرابیاں کھوجیں۔ کبھی ناصحانہ انداز میں اور کبھی طنزیہ انداز میں کی۔

عمر میں اضافے کے ساتھ ان کی فکری شدت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا تھا۔ طنز کے نشتر دو دھاری تلوار میں تبدیل ہو گئے تھے۔ بعض سفر ناموں میں تو وہ، اس قدر مضطرب اور مشتعل نظر آتے ہیں کہ طنز و مزاح کے بجائے نوجوانوں کو عملی اور پرتشدد انقلاب کی دعوت دیتے ہیں:

> ''نوجوانو! حیرت ہے کہ تم بھی سیاست دان کے نرغے میں آئے ہو... پاکستان کی اس کاذب سیاست کو تم تہہ تیغ کیوں نہیں کر دیتے؟ صحافی کے قلم کو تم صدق کیوں نہیں دیتے دولت مند کی دولت کو تم تقسیم کیوں نہیں کر دیتے؟''[۱۳]

ابن انشا اور عطاالحق قاسمی تو اپنے طنزیہ و مزاحیہ اسلوب کی وجہ سے مشہور ہیں۔ خصوصاً ابن انشا کی تو کوئی بات بغیر مزاح یا طنز کے مکمل ہی نہیں ہوتی، کسی حد تک کم، مگر یہی حالت عطاالحق قاسمی کے سفر ناموں کی بھی ہے۔ وہ جب کراچی سے بہ ذریعہ ہوائی جہاز لندن (۱۹۸۹ء) جا رہے تھے، تو ان کے ساتھ امجد اسلام امجد، خالد احمد اور حسن رضوی بھی تھے۔ ان سب میں عطاالحق قاسمی اور خالد احمد سگریٹ نوش تھے۔ وہ خالد احمد کی سگریٹ نوشی کی عادت کی بابت لکھتے ہیں کہ:

''چند گھنٹوں کے سفر کے دوران خالد احمد کو دیوانہ وار سگریٹ پیتے دیکھ کر مجھے اپنی کوتاہ دامنی کا شدت سے احساس ہوا۔ دھواں خالد احمد کے صرف منہ سے خارج نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ لگتا تھا کہ اس کا پورا بدن چمنی بنا ہوا ہے۔''۱۴

جمیل الدین عالی کے سفرناموں میں طنز و مزاح کے حوالے سے، ابن انشا یا عطاالحق قاسمی جیسی کیفیت تو نہیں ہے مگر طنز و مزاح ہے۔ یا خوش مزاجی کہہ لیجیے مثلاً: ''جب تک لڑکی یا عورت کا ذکر نہ ہو، سفرنامے میں وزن ہی پیدا نہیں ہوتا اور یہ ذرا چٹ پٹا کام ہے اس میں بڑا مزہ آتا ہے۔''۱۵ وہ ایک اور جگہ رقم طراز ہیں کہ: ''روزلین تم کہاں ہو۔ تمھارے بغیر اس سفرنامے کی رہی سہی جان نکلی جا رہی ہے۔ آج کل اردو سفرنامہ بھی ایڈورٹائزنگ کی طرح عورت کے بغیر نہیں چلتا۔''۱۶

طنز و مزاح کے نمونے مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں خوب ہیں۔ عمر میں اضافے کے ساتھ ساتھ اُن کے طنز میں بھی تیزی آ گئی ہے۔ ''منہ ول کعبے شریف'' میں سعودی حکام کے رویوں کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ سعودی عرب کے ہوائی میدانوں پر تعینات سرکاری اہلکار، حجاج کو بے وقوف سمجھتے ہیں، جو اپنے مذہبی جوش میں سفری صعوبتیں اٹھا کر اور اپنا سرمایہ لٹا کر، وقت برباد کرنے چلے آتے ہیں۔ سعودی حکام، حجاج سے حقارت آمیز رویہ رکھتے ہیں۔ مستنصر حسین تارڑ اپنے بیٹے سمیر کے ساتھ جب حج کی ادائیگی کے لیے گئے تو اُس وقت کے جدہ ایئرپورٹ کا احوال تحریر کرتے ہیں:

''بے مہر، نامہربان، بے رنگے اور سرد چہرے والے...... حج کے لیے آنے والے بے وقوف مسافروں کے لیے ایک چشمِ حقارت رکھنے والے ایئرپورٹ اہلکاروں کے پس منظر میں سمیر نے اپنے بڑے بھائی کو تلاش کر لیا۔''۱۷

حکیم محمد سعید بھی ایک مرتبہ حج کے موقع پر جدہ ایئرپورٹ پر سرکاری اہلکاروں کے ہاتھوں بے عزتی کے احساس سے دوچار ہوئے۔ ایک سعودی اہلکار نے ان کے سر پر ایسا زوردار ہاتھ رسید کیا تھا کہ ان کے سر پر جمی ہوئی جناح کیپ گرتے گرتے بچی۔۱۸ ''منہ دل کعبے شریف'' میں سعودیوں کی حالت پر مستنصر حسین تارڑ نے جگہ جگہ طنز کیا ہے۔ انھیں ایک آزاد خیال، سیاح عورت ہنستی، مسکراتی اور بے پردہ و بے لباس زیادہ اچھی لگتی ہے۔ سعودی معاشرہ اُنھیں ''فرسٹریٹ'' کرتا ہے لہٰذا سیاہ عباؤں میں چھپی عورتوں کو طنزاً ''عربی بہنیں'' لکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سعودیوں کے پاس دنیا جہان کی دولت ہے۔ قیمتی سے قیمتی اشیا ہیں، مگر کوئی سعودی ''کتاب پڑھنے کے قبیح رواج میں مبتلا'' نظر نہیں آتا۔۱۹ ابنِ انشا اور عطاالحق قاسمی اپنے شگفتہ و شاداب اسلوب بیان کی وجہ ہی سے مشہور ہوئے۔ جب کہ مستنصر حسین تارڑ، شفیع عقیل، رضا علی عابدی، جمیل الدین عالی اور قمر علی عباسی کا طرز بیان جگہ جگہ شگفتہ و تر و تازہ ہو جاتا ہے۔ جب کہ حکیم محمد سعید کے سفرناموں میں معلومات کی بہتات، مختلف علاقوں، جگہوں، شہروں، ملکوں اور قوموں کی تفصیل عام قاری کو بوجھل کر دیتی ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ انھوں نے معلومات کے بیان میں کسی بھی قسم کے تعصب کا اظہار نہیں کیا۔

☆

سفرناموں میں معلومات تحریر کرنا، اردو سفرنامے کی روایت میں سے ہے۔ یہ ایک مستقل رجحان ہے۔ ہر سفرنامہ نگار نے

شعوری یا غیر شعوری طور پر سفرناموں میں معلومات فراہم کی ہیں لیکن حکیم محمد سعید اس عمل میں دوسروں سے کہیں آگے نظر آتے ہیں۔ معاصر سفر نامہ نگاروں سے کوئی مقابلہ نہیں۔

حکیم محمد سعید کے سفرناموں کے اسلوب بیان پر مزید بات کرنے سے پہلے کچھ باتیں ذہن میں رکھنا ہوں گی۔ پہلی یہ کہ وہ کوئی باقاعدہ، سکہ بند ادیب یا انشا پرداز نہیں تھے۔ نہ ہی انھوں نے سفر نامہ نگاری یا تصنیف و تالیف کو کل وقتی شوق بنایا۔ لہٰذا زبان و بیان کے وہ انداز جو دیگر سفر نامہ نگاروں اور ادیبوں کے یہاں ملتے ہیں۔ اُن کے ہاں نہیں ہیں۔ ان کی حالت بعض سفرناموں میں ایسی نظر آتی ہے جیسی حالی نے سرسید کی بیان کی تھی کہ ''گھر میں آگ لگی ہو اور وہ شخص چیخ چیخ کر لوگوں کو پکارتا ہو۔'' حکیم محمد سعید لکھنے لکھانے کی صلاحیت خوب رکھتے تھے اور انھیں اس کا شوق بھی تھا، جو کہ فطری تھا لیکن کیوں کہ انھوں نے خود کو بہت مصروف رکھا اس لیے وہ اعلیٰ نثر نہیں لکھ سکے مگر اصلاحی اور فکری نثر نگاری میں اُن کا حصہ قابل قدر ہے۔

حکیم محمد سعید وطن پرست تھے۔ پاکستان کا جو حشر کیا گیا اُس پر شدید افسوس صرف وطن پرستوں کو تھا اور ان لوگوں نے جب بھی لکھا اُس میں وطن پرستی کے جوش میں اور جو بھی لکھا اُس میں غصہ بھی شامل ہے۔ چاہے وہ سفر نامے ہی کیوں نہ ہوں۔ اسی لیے حکیم محمد سعید کے قلب و نظر میں آگ لگی ہوئی تھی۔ انھیں پاکستان میں ہر طرف بے مقصدی، بے عملی اور بدعنوانی نظر آتی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ پاکستان کی نظریاتی اساس کو تخریب کاری کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ انھیں مسلم امہ کا غم کھائے جا رہا تھا۔ وہ طبِ مشرق کے احیا کی جنگ میں مصروف تھے لہٰذا ایسے میں اسلوبِ بیان کی باریکیوں پر کیوں کر توجہ دیتے، بس وہ تو سرسیّد کی طرح اپنا پیغام پڑھنے والوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ وہ زود نویس تھے۔ تصنیف و تالیف ان کا ایک پسندیدہ مشغلہ تھا۔ تمام عمر طبی، تاریخی، سائنسی، اخلاقی، مذہبی اور سیاسی مقالات و مضامین اور کتب کی تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ دنیا جہان میں ہونے والی کانفرنسوں اور کانگریسوں میں مقالات پڑھتے رہے۔ ایک سفرنامے کے بعد دوسرا سفر نامہ تواتر کے ساتھ لکھتے رہے۔ تہجد سے لے کر رات بستر پر دراز ہونے تک، وہ مسلسل کام میں مصروف رہتے تھے۔ تو ایسی حالت میں وہ زبان و بیان کی خوبیوں پر کیسے توجہ دیتے۔ اگرچہ انھوں نے اسلوبِ بیاں پر کوئی خاص توجہ نہ دی ہو مگر پھر بھی ان کے سفرناموں خصوصاً ''یورپ نامہ'' میں انشا پردازی کے اعلا نمونے دیکھنے کو مل جاتے ہی۔ اس سفرنامے میں، وہ اپنی تمام شخصی جہتوں کے ساتھ ساتھ، ادیب و انشا پرداز بھی نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ کچھ اور خوبیاں بھی ہیں جو دیگر سفرناموں میں نہیں ملتی مثلاً:

> ''نگاہیں کتاب کے صفحات کے بہ جائے صحیفۂ قدرت کے اوراق پر جم جانا چاہتی تھیں۔ یہی جی چاہا کہ باہر کے مناظر سے جو ہر آن بدل رہے ہیں۔ لطف اندوز ہوا جائے۔ سبزہ پوش پہاڑ، ہرے بھرے کھیت، مسکراتے ہوئے پھول، پانی کی شفاف نہریں، لال چھت والے چھوٹے چھوٹے مکانات مسلسل آباد تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ سارا ملک آباد ہے۔''[۲۰]

بڑی عمر کے افراد کے لیے تحریر کردہ ۱۲ سفرناموں کا اسلوب سنجیدہ، متین، رواں اور شستہ ہے۔ ادبی زبان و بیان کا رنگ ''یورپ نامہ'' اور ''ماہ و روز (روزنامچۂ روس)'' میں نمایاں ہے۔ ''نقشِ سفر''، ''درونِ روس'' اور ''ماوراء البحار'' میں خاص ادبی شان تو نہیں البتہ طنز و مزاح کا عنصر موجود ہے۔ ''ایک مسافر چار ملک'' اور ''ماہِ سعید'' میں مذکورہ سفرناموں کے مقابلے میں مزاح کم ہے اور زبان و بیان، ادبی و افسانوی رنگ سے محروم ہے۔ ''ریگِ رواں'' اور ''کوریا کہانی'' میں مزاح کی چاشنی نہ ہونے کے برابر ہے، جب کہ ''سوئزرلینڈ میں میرے چند شب و روز'' اور خصوصاً ''شب و روز (مع تاثراتِ سفر دمشق، حلب اور جدہ)'' مزاحیہ اسلوب سے عاری نظر آتے ہیں۔

☆

حکیم محمد سعید نے اپنے سفرناموں میں کئی انگریزی الفاظ کے اردو تراجم بھی تحریر کیے ہیں مثلاً

لائف جیکٹ --- جان بچانے والی صدری۔

گیس --- غاز۔

پروٹوکول --- تشریفات۔

اوورا یکٹو --- حد درجہ برقِ عمل۔

فوراسٹار ہوٹل --- چار چاند ہوٹل۔

بلیو ریور --- نیلا دریا۔

بلٹ ٹرین --- گولی رفتار ٹرین۔

ہیومیڈ --- مرطوب۔

فری --- بلا قیمت۔

میموریل ہال --- ایوان یادگار۔

اور کمیونی کیشن گیپ --- اطلاع نارسائی غیر ہم۔

بعض الفاظ کا املا بھی عام روش سے مختلف ہے مثلاً کانگریس۔ کنگرس۔ آف۔ اوف۔ نارتھ۔ نورتھ۔ کینیڈا۔ کناڈا وغیرہ۔

☆

حکیم محمد سعید کے اسلوب و بیان میں تکرار بہت ہے۔ وہ ایک بات، واقعے، لطیفے، قصے، کہانی یا اپنے حالاتِ زندگی کو بار بار دہراتے ہیں خصوصاً نونہالوں اور نوجوانوں کے لیے تحریر کردہ سفرناموں میں تو، یہ ان کے طرزِ تحریر کا مخصوص انداز ہے۔ کبھی کبھی ان کے یہاں جملوں میں الفاظ بے ترتیب ہو جاتے ہیں مثلاً: ''پریشانی کے عالم میں نیچے ہال میں ایک بار پھر آیا۔'' ''نونہالو! المیہ یہ ہے،

ٹریجڈی یہ ہے کہ ہم ......'' بعض جگہ وہ طرزِ تحریر میں مزاح پیدا کرنے کے لیے یا رواجاً اردو کی جگہ، انگریزی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً: ''اپنے معمول کے مطابق اٹھ بیٹھا، کلمۂ طیبہ تین مرتبہ پڑھا۔ جمپ لگا کر بستر سے باہر آ گیا۔'' ''جو خط میں نے ابتدائی تعلیم کے موضوع پر عالی مرتبت صدرِ پاکستان کی خدمتِ اقدس میں بھجوا دیا ہے۔ اسے پبلک کر دوں۔'' اسی طرح ایک سفرنامے میں سووینئر کے معنی، انھوں نے بچوں کو سوغاتیں بتایا ہے۔ وہ نونہالوں کو کبھی لطیفے سناتے ہیں۔ کبھی اپنی زندگی سے کوئی ایسا واقعہ منتخب کرتے ہیں کہ جو مزاحیہ ہو اور طرزِ تحریر میں چاشنی پیدا کر دے۔ مثلاً

> ''حضرات عموماً جب میں تقریر کرنے کھڑا ہوتا ہوں تو اپنی عینک اتار دیتا ہوں تاکہ میری تقریر سے بور ہو کر لوگ جمائیاں لینے لگیں تو میں ان کو نہ دیکھ سکوں۔ اس طرح مجھے اپنی تقریر جاری رکھنے کا موقع مل جاتا ہے اور میں ڈسٹرب نہیں ہوتا۔'' ۱۲۱

حکیم محمد سعید نے ازراہِ تفنن ہندی الفاظ و محاورات کا استعمال بھی اپنے سفرناموں میں کیا ہے۔ مثلاً چھتنا۔ اور دھونی رمانا وغیرہ۔ ''توبہ میرے اللہ''۔ اور ''اللہ توبہ''۔ کا استعمال عموماً مردوں کے تحریر کردہ سفرناموں میں پڑھنے کو نہیں ملتا۔ لیکن انھوں نے یہ کلمات اپنے، سفرناموں میں کئی جگہ استعمال کیے ہیں۔ اسی طرح سے بعض ایسے الفاظ جو، اب سننے کو نہیں ملتے اور دہلی کی ٹکسالی زبان کی نمائندگی کرتے ہیں مثلاً پھونسڑا یا، پھیاں پھیاں وغیرہ۔ (''میں پورے ادب کے ساتھ درگاہِ خواجہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں پھیاں پھیاں بارش ہو رہی تھی۔'')

حکیم محمد سعید مشاہداتی اور تعمیری ادب پر یقین رکھتے تھے۔ ملا واحدی اور خواجہ حسن نظامی سے متاثر تھے لہٰذا طرزِ تحریر پر دہلویت نمایاں تھی۔ ۱۲۲ وہ دہلوی ضرور تھے مگر سندھ میں رہتے بستے، وادیِ مہران کے اثرات، ان کی زبان و بیان پر بھی پڑنے لگے تھے۔ میرے علم کے مطابق انھوں نے کوشش سے یہ زبان سیکھی بھی تھی۔ جب وہ سندھ کے گورنر تھے تو اُس زمانے میں انھیں سندھ یونیورسٹی میں دعوت دی گئی تھی۔ آپ نے اپنی تقریر دل پذیر میں بہت عمدگی سے اردو کے ساتھ سندھی زبان میں بھی اظہارِ خیال کیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی تحریروں میں سندھی زبان کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ انھوں نے گاؤں یا دیہات کے بہ جائے ایک سفرنامے میں گوٹھ کا لفظ استعمال کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ مثلاً: ''ایک دور تھا کہ دہلی سے قطب صاحب تک کوئی آبادی نہ تھی۔ لق و دق میدان تھے۔ دور دور گوٹھ ضرور تھے۔'' ۱۲۳

نونہالوں کے سفرناموں میں انھوں نے تدریسی اسلوب بیان اختیار کیا ہے۔ وہ جگہ جگہ نونہالوں کو کسی نہ کسی بات پر سمجھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً: سوئیٹ (Suit) کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

> ''بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی اسے ''سوٹ'' کہتے ہیں۔ نونہالو! تم ایسی غلطی نہ کرنا۔ اس کا صحیح تلفظ ''سوئیٹ'' ہے''۔ ۱۲۴

بچوں سے بچہ بن کران کی زبان اورلب و لہجے میں بات چیت کرنا حکیم محمد سعید کے سفرناموں کا خاصہ ہے۔ انھوں نے بعض اوقات وہی لب ولہجہ اور الفاظ استعمال کیے ہیں جو عموماً بچے باہمی گفتگو میں استعمال کرتے ہیں مثلاً

''نونہالو! میں پانچ دن سے جرمنی میں ہوں۔ مجھے یہاں ایک سبز رنگ کی کار کی تلاش ہے مگر ایک بھی کار سبز رنگ کی نہیں ملی۔ تم بتاؤ ایسا کیوں ہے؟ میں نہیں بتاؤں گا۔ تم یہ کتاب پڑھو تو مجھے خط لکھ کر بتانا۔ اگر چیں بول جاؤ تو خط لکھ کر مجھ سے معلوم کر لینا۔'' ۱۲۵

اب یہ ''چیں بول جانا'' بچے اور نوجوان بات چیت میں عموماً استعمال کرتے ہیں۔ انھوں نے اگر کوئی ایسا لفظ تحریر کیا، جس کے لکھنے کے بعد انھیں اس کے معنی کی وضاحت ضروری لگی، تو پھر وہ سمجھانے والے انداز میں وضاحت لازماً کرتے ہیں مثلاً انھوں نے نونہالوں کے ایک سفرنامے میں ''مسٹنڈے'' کا لفظ تحریر کیا۔ پھر یہ سوچ کر کہ کہیں بچے ''مسٹنڈے'' کو بدمعاش یا خراب آدمی کے معنی میں نہ لیں۔ انھوں نے اس لفظ کی وضاحت پیش کی اور تحریر کیا کہ ''مسٹنڈا'' کوئی بُرا لفظ نہیں ہے۔ یہ اردو کا خالص کرخنداری لفظ ہے، اور مستعد کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

''یہ چھوٹا جہاز ہے اور سفر پورے ڈھائی گھنٹے کا ہے۔ اس میں عملہ مردانہ ہے، بڑے مستعد اور مسٹنڈے لوگ ہیں۔'' ۱۲۶

حکیم محمد سعید خوب جانتے تھے کہ کم سے کم الفاظ میں جامع بات لکھنا سب سے مشکل کام ہے۔ یہی دقت ان کے سفرناموں میں نظر آتی ہے۔ جب وہ لکھنے پر آتے ہیں، تو صفحے پر صفحے تحریر کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں معلومات، تجزیات اور فکر و نظر ان کے پسندیدہ شعبے ہیں۔ اسلوب اور طریق کار کے زیادہ تجربات، انھوں نے نونہالوں کے لیے تحریر کردہ سفرناموں میں کیے۔ وہ گفتگو، مکالمات، واقعات، کہانیاں، آپ بیتی، قصائص، انٹرویوز، خطوط، شاعری، طنز و مزاح، اور لطائف کے ذریعے اسلوبِ بیان اور سفرناموں کو دل چسپ بناتے ہیں۔ نونہالوں اور نوجوانوں کے لیے تحریر کردہ سفرناموں میں گفتگو اور مکالمات کا طریق کار شعوری نظر آتا ہے۔ مثلاً: ''نونہالو! مجھے تو خوب یاد ہے کہ میرے لیے یہ سفر بڑا ہی ''ایڈونچرس'' رہا۔'' عمر کے گزرتے عمل کے ساتھ ساتھ وقت، تنگ اور فکر، فراواں اور کشادہ ہوتی چلی گئی۔ اسلوب سادہ اور عام فہم ہو گیا۔ گفتگو اور تقریر کا انداز بڑھتا گیا۔ ادبی حسن ماند پڑ گیا۔ تحریر میں فکری باتوں کا بار بار اعادہ ہونے لگا۔ سفرنامے سنجیدہ تر ہو گئے۔ جس کا خود انھوں نے اقرار کیا ہے:

''میرے دوستو! اب تک جو لکھا ہے۔ وہ ذرا خشک ہے۔ تم یقیناً گھبرا گئے ہو گئے۔ کہ ... حکیم محمد سعید کے سفرنامے اب سنجیدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ شاید یہ اس کا اثر ہے کہ میں پاکستان کے حالات سے پریشان ہوں۔ میرا دل دکھا ہوا ہے کہ کس کس طرح پاکستان کو لوگ لوٹ رہے ہیں اور کیسے کیسے پاکستان کو فروخت کیا جا رہا ہے۔'' ۱۲۷

حکیم محمد سعید کے معاصر سفرنامہ نگاروں میں ابنِ انشا اور عطا الحق قاسمی کا اسلوبِ بیان، مزاح نگاری کی وجہ سے بالکل مختلف ہے، جب کہ قمر علی عباسی کے یہاں مزاح اور سنجیدگی ملی جلی ہے۔ سادگی و روانی، ہر سفرنامہ نگار کے یہاں موجود ہے۔ جمیل

الدین عالی کا اسلوبِ بیان شستہ ہے۔ موقعے کی مناسبت سے پُر مزاح یا سنجیدہ و متین ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

''مگر یہ نئی نسل کتنی پیاری ہے۔ ان کی لڑکیاں، اپنی ماؤں، خالاؤں، پھپھیوں، نانیوں اور دادیوں کی طرح موٹی، پھس پھسی اور شلجمی رنگ کی نہیں ہیں بلکہ سڈول مضبوط اور روشن آنکھوں کی مالک ہیں۔ ان کے نوجوان، اپنے باپوں، چچاؤں اور داداؤں جیسے کرخت چہروں، بھدّی بھدّی حرکات سے بہت بہتر صفات رکھتے ہیں۔ وہ چوڑے شانوں والے مسکراتے ہوئے لڑکے ہیں۔''۱۲۸

رضا علی عابدی کے تصانیف ''جہازی بھائی''، ''ریل کہانی'' اور ''شیر دریا'' کا مطالعہ اس بات کا شاہد ہے کہ ان کے سفرناموں میں نہایت سلیس اور رواں اردو زبان استعمال ہوئی ہے۔ گفتگو کا انداز نمایاں ہے۔ مثلاً:

''میں صبح نہا دھو کر ہوٹل سے باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ عابدی صاحب، میرا نام صابرہ ہے۔ کل کانفرنس میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس وقت میں یہاں آپ کے ہوٹل کے ریسیپشن پر ہوں۔ کیا آپ نیچے آکر مجھ سے مل سکتے ہیں۔''۱۲۹

شفیع عقیل کے سفرنامے ''زندگی پھر کہاں'' میں بھی اسلوب رواں اور آسان ہے۔ کہیں ہلکا پھلکا مزاح ضرور ہے مگر سفرنامے کی شگفتہ و سنجیدہ فضا قائم رہتی ہے۔ مثلاً:

''جب ہم ہوٹل کے کمرے میں پہنچے تو خاصے تھکے ہوئے تھے اور نڈھال تھے۔ اس لیے جاتے ہی اپنے اپنے بستروں پر اس طرح دراز ہو گئے۔ جیسے ہمارے نیا گرا آنے کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ ابھی چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ میں اچھل کر اٹھا اور عظیم سے کہا! ہم یہاں آرام کرنے نہیں آئے۔ اٹھو۔ چل کر باہر کی دنیا دیکھو۔''۱۳۰

علامہ محمد تقی عثمانی کے ہاں سنجیدگی و متانت کی فضا، تمام سفرنامے پر چھائی ہوئی ہے۔ عالمِ دین ہونے کی وجہ سے جگہ جگہ قرآنی آیات تحریر کی ہیں:

''ایک کھجور کا درخت ہے چوں کہ کیپ ٹاؤن میں آس پاس کہیں کھجور کے درخت نظر نہیں آتے۔ اس لیے اسے دیکھ کر مجھے اچنبھا سا ہوا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس مسجد کے کوئی امام صاحب حج کے لیے حجازِ مقدس گئے تو واپسی میں مدینہ طیبہ کی کھجوریں لائے تھے۔ انھوں نے ایک گٹھلی یہاں بو دی تھی۔''۱۳۱

اسلوب کے اعتبار سے حکیم محمد سعید کے ہم عصر سفرنامہ نگاروں میں سب سے منفرد اور ممتاز سفرنامے، مستنصر حسین تارڑ کے ہیں۔ وہ الفاظ کی صورت گری کا فن، مہارت سے استعمال کرتے ہے۔ اسے لفظوں سے جادو جگانا آتا ہے۔ یہی وہ جادو ہے جس کے سحر کی وجہ سے نوجوان، اُن کے سفرنامے پڑھ کر سفر کے لیے نکل پڑتے ہیں۔

''ایک برف کا صحرا میرے سامنے، جہاں تک نظر جاتی، وہاں تک اور اس سے بھی بہت پرے تک ۰۰۰ خاموش بالکل چپ اور صرف ٹھنڈک میں چپ ۰۰۰ نہ کوئی آواز، نہ کوئی آہٹ۔ صبح کے نو بجے ہیں۔ دور پستہ قد پیراہن، کچھ پہاڑیاں ہیں اور ان کے دامن میں ایک برف کا صحرا خاموش۔ یہ سنو لیک ہے۔۱۳۲

فکر و نظر کے مستحکم ہونے کا عمل، مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں بھی ہوا مگر بتدریج۔ ''نیویارک کے سورنگ'' میں دیگر سفرناموں کے مقابلے میں مستنصر نے اپنے خیالات زیادہ بیان کیے ہیں۔ بعض جگہ وہ سیاحت کے بہ جائے، کئی کئی صفحات پر خیالات شامل کر دیتے ہیں۔ مثلاً صفحہ نمبر ۲۳۱ سے ۲۴۰، موڈرن آرٹ سے متعلق ہے۔ اب وہ قاری جس کا تعلق یا ذوق ادب، آرٹ اور خصوصاً موڈرن آرٹ سے نہ ہو۔ وہ اکتا جاتا ہے۔

☆

حکیم محمد سعید کے سفرناموں میں اشعار اور نظموں کو شامل کرنے کا رجحان بھی ملتا ہے۔ اسی طرح اشعار ابنِ انشا کے اسلوبِ بیان کا بھی حصہ ہیں۔ عطاالحق قاسمی نے بھی اپنے سفرناموں میں اشعار سے ندرت پیدا کی ہے۔ ''گوروں کے دیس'' میں انھوں نے اشعار سے جو لطف پیدا کیا اس نے سفرنامے میں ندرت پیدا کر دی ہے ۔جمیل الدین عالی بھی اپنے سفرناموں میں اشعار تحریر کرتے ہیں۔ مثلاً ''دنیا میرے آگے'' میں انھوں نے لبنانی گیت اردو زبان میں ترجمہ کر کے شامل کیا ہے۔ اس گیت کے ۱۶ مصرعے سفرنامے میں موجود ہیں۔ اسی طرح قدیم مصری زبان سے فرانسیسی اور پھر انگریزی میں ترجمہ ہونے والی دو نثری نظمیں ۱۔ ''موسم''، ۲۔ ''تخلیق'' کا اردو ترجمہ بھی شامل کیا ہے۔ ۱۳۳

علامہ محمد تقی عثمانی کے اسلوبِ بیان میں بھی اشعار کا استعمال نظر آتا ہے ان کے علاوہ قمر علی عباسی (ترکی میں عباسی، ص ۶۶) اور شفیع عقیل (زندگانی پھر کہاں، ص ۶۴، ۶۵) نے بھی اپنے سفرناموں میں اشعار سے اسلوب میں خوب چاشنی پیدا کی ہے۔ یہ خوبی مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں میں بھی ہے۔ مثلاً ''نیویارک کے سورنگ'' کے صفحات ۵۴۹ اور ۵۵۰ پر ۲۰ مصرعوں پر مشتمل نظم شامل ہے۔ اسی طرح سفرنامہ ''ہیلو ہالینڈ'' کے صفحہ نمبر ۲۲۲ پر امیر مینائی کی غزل کے چار اشعار تحریر ہیں ان میں سے ایک ملاحظہ کیجیے۔

قیامِ روح پہ قالب میں اعتماد نہ کر
کچھ اعتبار نہیں مہماں رہے نہ رہے

حکیم محمد سعید کے سفرناموں میں اشعار اور نظمیں کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔ انھوں نے اشعار، عبارت آرائی اور اپنی بات کو مؤثر بنانے کے لیے استعمال کیے ہیں مثلاً ''درونِ روس'' (دیدوشنید) میں ازبک شاعر کے کلام کا اردو ترجمہ تحریر کیا ہے۔ ۱۳۴

دورانِ تحریر سفرناموں میں لطائف کا استعمال بھی انھوں نے بہت کیا ہے۔ خصوصاً نونہالوں کے سفرناموں میں تو وہ دو چار لطیفے ضرور تحریر ہیں۔

حکیم محمد سعید کی طرح، ان کے ہم عصر سفرنامہ نگاروں نے بھی لطائف تحریر کیے ہیں۔ مثلاً ابنِ انشا کے سفرنامے ''دنیا گول ہے'' اور ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں'' کئی مشہور لطائف درج ہیں۔

حکیم محمد سعید کے معاصرین سفرنامہ نگاروں کے ہاں خطابیہ تو نہیں مگر مکالماتی اندازِ تحریر ضرور مل جاتا ہے مثلاً ابن انشا کے یہاں:

''ہم نے کہا! کچھ مرض کی تفصیل تو بیان کرو۔

بولے۔ جس روز دفتر میں مجھے آٹھ دس گھنٹے کرسی پر بیٹھنا پڑے تو پیٹھ میں درد ہونے لگتا ہے۔

معمولی یا شدید؟

نہیں شدید تو نہیں ہوتا۔ میٹھا میٹھا، ہلکا ہلکا۔"[۱۳۵]

ابن انشا کی طرح عطاالحق قاسمی بھی سفرناموں میں گفتگو کا انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ مثلاً جب وہ ۱۹۸۹ء میں لندن کے ہیتھرو ایئرپورٹ پہنچے تو امیگریشن کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون سے ہونے والی گفتگو ملاحظہ کیجیے:

"ہیلو!

ہے......لو...... ہاؤ آر یو؟

فائن کدھر کے ارادے ہیں؟

بس آپ کے ملک میں مشاعرے پڑھنے آئے ہیں۔"[۱۳۶]

رضا علی عابدی کے سفرناموں میں، دیگر ہم عصر سفرنامہ نگاروں کے مقابلے میں، سب سے زیادہ مکالماتی اسلوبِ تحریر ملتا ہے۔ وہ اکثر جگہ اپنے ملنے والوں کا انٹرویو لیتے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ بھی ظاہر ہے۔ انھوں نے زیادہ تر سفر دستاویزی و معلوماتی پروگرام بنانے کے لیے کیے تھے۔ چند ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

"کیا نام ہے تمھارا۔ میں نے اپنی ٹائی کھولتے ہوئے کہا۔

کریم بلا

کہاں کے رہنے والے ہو؟

یہیں ماریشس کے۔"[۱۳۷]

جمیل الدین عالی کے سفرناموں میں بھی بعض جگہ مکالمات تحریر ہیں لیکن یہ زیادہ طوالت اختیار نہیں کرتے۔

"میں کہاں سستے خرچ پر آرام سے ٹھہر سکتا ہوں؟

جہاں آپ چاہیں یعنی جو جگہ آپ پسند کریں

میرا پروگرام کیا ہوگا؟

جیسا آپ چاہیں۔"[۱۳۸]

دیگر سفرنامہ نگاروں کی طرح سے مستنصر حسین تارڑ نے بھی کہیں کہیں مکالماتی شکل اختیار کر لی ہے مثلاً جب وہ اپنی فیملی کے ہم راہ وادی مانسہرہ کی سیر کر رہے تھے، تو اپنے بچوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو بھی سفرنامے میں شامل کر لیتے ہیں۔

"کیا پتا وہ ایرانی خانم اب بھی یہاں رہتی ہوگی جس نے ہمیں ایک چینی تابوت اور نوادرات دکھائے تھے۔

سلجوق نے اوپر دیکھا۔

ہیں! عینی ڈر گئی۔ بھائی تابوت میں کیا تھا؟

تمھارا سر۔ وہ غصے سے بولا۔"[۱۳۹]

حکیم محمد سعید کے سفرناموں کے مطالعے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اسلوب کے تجربے انھوں نے زیادہ تر نونہالوں اور نوجوانوں کے سفرناموں میں کیے تھے۔ جب کہ نونہالوں اور نوجوانوں کے سفرناموں میں مکالمات، واقعات، کہانیاں، آپ بیتیاں، انٹرویوز، خطوط، اشعار اور لطائف وغیرہ کا کھل کر استعمال کیا۔ اُنھوں نے نونہالوں کے لیے کثرت سے سفرنامے لکھ کر اردو سفرنامہ نگاری میں اس روایت کو مضبوط کیا اور واضح شکل دی جس کے ابتدائی نقش مسعود احمد برکاتی نے ''دو ملک، دو مسافر'' میں تیار کیے تھے جب کہ نوجوانوں کے لیے سفرنامے تحریر کرنا، حکیم محمد سعید کی اختراع تھی۔

حکیم محمد سعید نے بچوں کے لیے ۳۴ سفرنامے تحریر کیے۔ ایک سفرنامہ ''استنبول کا آخری سفر'' نونہالوں اور نوجوانوں کے لیے مشترکہ ہے۔ یوں نونہالوں کے لیے سفرناموں کی تعداد ۳۵ ہو جاتی ہے۔ حکیم محمد سعید نے نونہالوں اور نوجوانوں کے لیے سفرنامے تحریر کر کے، اردو سفرنامہ نگاری میں ایک منفرد تجربہ کیا۔ یوں ان کے سفرنامے اپنے فن اور ہیئت کے اعتبار سے تین طرح کے ہیں، ایک بڑی اور سنجیدہ عمر کے حامل افراد کے لیے، دوسرے نوجوانوں کے لیے اور تیسرے نونہالوں کے لیے تحریر کردہ سفرنامے۔ یہ تنوع کسی دوسرے سفرنامہ نگار کے یہاں دکھائی نہیں دیتا۔

حکیم محمد سعید کے سفرناموں کا تجزیہ اور معاصر سفرنامہ نگاروں سے تقابل کرنے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے اور ان کے ہم عصر سفرنامہ نگاروں کے اسفار کا فکری مطالعہ بھی لیا جائے۔ اس تحقیق سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ فکرِ سعید کا منبع، سمت، زاویہ، وسعت، شدت، اثر اور فوائد کیا ہیں۔

(۳)

حکیم محمد سعید نے دنیا بھر کے سفر کی وجہ سے متعدد اقوام کی تہذیب و ثقافت کا مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دورانِ سفر و قیام جو کچھ بھی مشاہدے اور مطالعے میں آیا، اُس سے اُن کی فکری بلندی میں اضافہ کرتا چلا گیا اور یہ فکر و نظر عمیق و بسیط ہو کر ان کے سفرناموں میں در آئی۔ یہی وجہ ہے کہ حکیم محمد سعید کے تحریر کردہ سفرنامے ان کے فکر و نظر کا بین ثبوت و اظہار ہیں۔

حکیم محمد سعید اکثر سفرناموں میں تحریر کرتے ہیں کہ وہ پاکستانی ہیں۔ پاکستان ان کا ہے۔ ان کا مقصدِ حیات اس وطن کی حفاظت اور فلاح ہے۔ وہ اپنا فرض سمجھتے تھے کہ مملکت خداداد کے خلاف ہونے والی ہر جنبش کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جائیں۔[۱۴۰] پاکستان سے متعلق ان کے خیالات ہمہ جہت ہیں مثلاً ان کا خیال تھا کہ موجودہ زمانے میں پاکستان، قاتل اور فسادی وحشیوں کا ملک ہے۔ جہالت کا آئینہ دار، اخلاق و کردار سے محروم حصہ زمین ہے۔ یہ ملک کاذب انسانوں کی آماج گاہ ہے۔[۱۴۱] مذکورہ تمام باتوں کا سبب، وہ پاکستانی حکمرانوں اور سیاست دانوں کو سمجھتے تھے۔

حکیم محمد سعید کے معاصر سفرنامہ نگاروں نے بھی اس جانب توجہ کی ہے۔ مثلاً عطاالحق قاسمی کو یورپ کی سیر کے دوران اکثر پاکستان یاد آ جاتا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یورپ کا لینڈ اسکیپ اگرچہ بہت خوب صورت ہے۔ وہاں کے باشندوں نے اس قدرتی حسن

کو اپنی محنت اور مہارت سے مزید چار چاند لگا دیے ہیں۔ پھر بھی ایک ایسی یکسانیت ہے جو سیاح کو بہت جلد اکتاہٹ میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس کے مقابلے میں پاکستان میں ہر تھوڑے فاصلے کے بعد منظر یکسر بدل جاتا ہے۔ کہیں پہاڑ ہیں، کہیں میدان یا صحرا اور کہیں جنگل شروع ہو جاتا ہے البتہ عطاالحق قاسمی کو اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ پاکستان جیسا خوب صورت ملک، بدصورت لوگوں کے قبضے میں چلا آ رہا ہے۔ یہاں ایسا مکروہ نظام ہے کہ جس نے انسانوں کے چہروں کو زرد اور آنکھوں کو بے نور کر دیا ہے۔ وہ اپنے سفرنامے میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پاکستانیوں کو ہمت دے تاکہ وہ ظالموں اور غاصبوں سے پاکستان کو نجات دلا سکیں۔[۱۴۲]

حکیم محمد سعید کا خیال تھا کہ دنیا کے بیش تر ممالک کے سیاست دان اپنے وطن سے محبت کرتے ہیں جب کہ پاکستان کے سیاست دان اس ملک کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔[۱۴۳] ان کا یہ بھی نقطۂ نظر تھا کہ عالمی سطح پر پاکستانیوں کی تحقیر کی بنیادی وجہ بھی ہمارے حکمران اور سیاست دان ہیں کہ جنھوں نے اپنی بدکرداری سے پوری قوم کو بے کردار و بدکردار بنا دیا ہے اور اعلا کردار کا کوئی نمونہ پیش نہیں کیا۔ وہ اس ضمن میں علما اور صحافیوں کو بھی قصوروار گردانتے تھے کہ انھوں نے کردار سازی کے حوالے سے پاکستانیوں کے ذہن تیار نہیں کیے۔[۱۴۴]

کیوں کہ حکیم محمد سعید نے ایک دنیا دیکھی تھی اس لیے وہ جانتے تھے کہ دنیا میں پاکستانیوں کو کیا سمجھا جاتا ہے۔ یورپ میں منشیات فروش، عرب میں یتیم و مسکین، ایران میں ہنگری ماؤتھ اور کینیڈا میں حقارت سے پاکی پکارا جاتا ہے۔[۱۴۵] انھیں بھی پاکستانی ہونے کی وجہ سے ذلت و رسوائی کے عمل سے گزرنا پڑا مثلاً جینوا کے ہوائی میدان پر جب ان کی بیٹی سعدیہ، میڈم ڈی سلوا اور فاخرہ الیاس ہم راہ تھیں۔ کسٹم حکام نے ان کے سامان کی ایک ایک چیز کھول کر دیکھی حتیٰ کہ سوہن حلوے اور حبشی حلوے کے ڈبے بھی سونگھ سونگھ کر چیک کیے کہ کہیں یہ منشیات تو نہیں۔ اس عمل سے ہوائی میدان پر اتنی ناگوار صورت حال پیدا ہو گئی کہ غصے میں حکیم محمد سعید اپنا سب سامان ہوائی میدان پر چھوڑ کر جانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔[۱۴۶] انھوں نے بارہا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اب دنیا بھر میں پاکستانیوں کی عزت ختم ہو چکی ہے۔ انھیں کام چور، بے ایمان، عیار، مکار، منشیات فروش اور دہشت گرد سمجھا جاتا ہے۔ دنیا کے ہر ہوائی میدان پر، ان کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں مستنصر حسین تارڑ نے بھی اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ''مانچسٹر ایئرپورٹ پر چند ناگزیر وجوہ کی بنا پر پی آئی اے کے تمام مسافر سامان سمیت اتارے جاتے ہیں اور پھر ان کی سخت چیکنگ کی جاتی ہے۔''[۱۴۷] ''اب دنیا پاکستانیوں کو قاتل اور جنونی سمجھتی ہے۔''[۱۴۸] جمیل الدین عالی کے سفرنامے چوں کہ موجودہ عالمی تناظر سے قبل کے ہیں لہٰذا وہ پاکستانیوں کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کو بھی شامل کر لیتے ہیں۔ وہ اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''اب یہ کیفیت ہے کہ کوئی ہندوستانی یا پاکستانی نظر آنے والا، امیگریشن پوسٹ تک پہنچا اور دھر لیا گیا اور ان کا تاثر یہ ہوتا ہے کہ اسمگلر ہیں یا ناجائز طریقے سے نوکری کرنے آئے ہیں۔''[۱۴۹]

عطاالحق قاسمی نے اس مسئلے کو مزید وسیع تناظر میں دیکھا ہے۔انھوں نے پاکستانیوں کے ساتھ دیگر ایشیائی اقوام کو بھی شامل کرلیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں کہ برطانیہ میں نسل پرست گورے، ایشیائیوں کو تشدد کا نشانہ بنا رہے ہیں۔۱۵۰ حکیم محمد سعید کے سفرناموں میں اس بات کا اظہار بھی ملتا ہے کہ پاکستان ایک عظیم ملک ہے۔قدرت نے ہر چیز وافر مقدار میں دی ہے۔تعمیر و ترقی کی راہیں کھلی ہوئی ہیں۔قدرت کی فیاضیوں کی کوئی حد نہیں ہے، مگر غیر دانش مندانہ سیاسی و معاشی پالیسیوں کی وجہ سے ہر شخص مقروض ہے۔غیر ملکی امداد نے بھیک کی شکل اختیار کرلی ہے۔اخلاقی طور پر ہر انسان محنت، غیرت اور بقا کی جدوجہد سے عاری ہے۔ان کے خیال میں فکری اور سیاسی آزادی کے لیے یہ صورت حال تشویش ناک ہے۔۱۵۱ وہ لکھتے ہیں کہ ہر حکومت نئے سے نیا ٹیکس لگانے کی کوشش کررہی ہے۔بغیر غور وفکر کے لگائے گئے ٹیکسوں نے معیشت کو ہلا کے رکھ دیا ہے۔ٹیکسوں کی بھرمار نے ٹیکس چوری کا راستہ کھول دیا ہے۔ان کا خیال تھا کہ پاکستان کے مسائل کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں صنعت وزراعت مفلوج کر دی گئی ہے۔کاسۂ گدائی، حکومت کے ہاتھوں میں ہے۔غیر ملکی امداد سے معیشت کو سہارا دینے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس عمل سے نہ صرف معاشی و اقتصادی صورتِ حال تباہ ہوگئی ہے بلکہ قومی غیرت وحمیت کو بھی بٹا لگ گیا ہے۔۱۵۲

پاکستان کے اندرونی حالات کے بارے میں وہ اپنے سفرناموں میں لکھتے کرتے ہیں کہ اربابِ اقتدار نے ایسے حالات پیدا کردیے ہیں کہ کسی پاکستانی کی دولت، کاروبار، جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ نہیں ہے۔شرفا اپنی عزتوں کو چھپائے کونوں میں بیٹھ گئے ہیں۔۱۵۳ حکیم محمد سعید پاکستانی طرزِ سیاست کے بڑے ناقد تھے۔وہ لکھتے ہیں کہ پاکستان میں طرز حکمرانی اور سیاست یہ رہا ہے ہم اپنی نئی نسلوں کو کوئی قابلِ احترام شخصیت نہیں دے سکے۔۱۵۴ کیوں کہ ہر نئے حکمران نے اقتدار سے محروم ہو جانے والے حکمرانوں کو شدومد کے ساتھ بدنام کیا ہے اور یہ سلسلہ قیامِ پاکستان کے بعد سے جاری ہے۔وہ اس عمل کو جمہوریت کی ناکامی قرار دیتے ہیں۔ان کا خیال تھا کہ اگر پاکستان میں جمہوری نظام کو تسلسل کے ساتھ چلنے دیا جاتا تو یہ ایک چھلنی کا کام کرتا اور چھن چھن کر اچھے سیاست دان سامنے آتے، لیکن سیاسی قوتوں کی باہمی آویزش نے عساکرِ پاکستان کو اقتدار سنبھالنے کا بارہا موقع دیا اور اب پاکستان میں عسکری قوتیں اقتدار میں اپنی شمولیت کو عین اسلام سمجھتی ہیں۔۱۵۵

ان کا یہ بھی خیال تھا کہ پاکستانی نظامِ تعلیم نے بھی پاکستان سے محبت کرنے والی کوئی شخصیت پیدا نہیں کی۔اس لیے ہر شخص اس ملک کی تعمیر و ترقی سے لاتعلق ہے۔تمام افراد حیوانوں اور جانوروں کے ریوڑ کی طرح بغیر تعینِ منزل، جدھر دل چاہ رہا ہے منہ اٹھائے چلے جارہے ہیں۔۱۵۶

جب ۲۷ رمضان اور جمعۃ الوداع آتا تو حکیم محمد سعید کو قیامِ پاکستان کی رات یاد آجاتی۔انھوں نے اپنے سفرناموں میں تحریر کیا ہے کہ اسی شب نزولِ قرآن ہوا لیکن افسوس ہم نے اس رات کی قدر نہیں کی۔وہ تحریر کرتے ہیں کہ رمضان کی ۲۷ ویں شب پاکستان آزاد ہوا لہٰذا ہمیں یومِ آزادی اسی تاریخ کو منانا چاہیے۔۱۵۷ اس ضمن میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ ہم ۱۴/ اگست کو یوم آزادی

مناتے ہوئے کروڑوں روپے لٹا دیتے ہیں۔ ہم نے فرض کر لیا ہے کہ گدھا گاڑی تک پر پاکستانی جھنڈے لہرانا، جشن آزادی کا مفہوم ہے۔ ہم نے جشن آزادی کو ملے گلے کی شکل دے دی ہے۔ یہ جشن وقتی ہنگامے سے زیادہ نہیں اور اس سے اذہان نئی نسل کی تعمیر ممکن نہیں۔ ۱۵۸؎ جشنِ آزادیٔ پاکستان کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ جشن مردہ قومیں منایا کرتی ہیں۔ ان کے خیال میں مردہ قوم کی مخصوص علامت یہ ہے کہ جس چیز کو وہ حقیقت میں حاصل نہیں کر پاتی اس کو وہ الفاظ میں پا کر خوش ہوتی ہے۔ جشن آزادی کے پروگراموں کے بارے میں انھوں نے تجویز کیا کہ ان میں روحِ فکر و عمل ہونا چاہیے۔ ۱۵۹؎

اُن کے ہم عصر ابن انشا کے سفر ناموں میں بھی پاکستان کے حوالے سے ذکر موجود ہے۔ وہ جب بھی بیرون ملک گئے، تو انھیں بھی پاکستان ضرور یاد آیا۔ انھوں نے پاکستان کا دیگر ممالک سے تقابل بھی کیا لیکن صرف لطیف اشاروں سے کام چلایا۔ حکیم محمد سعید جیسا سنجیدہ اور جارحانہ انداز اختیار نہیں کیا بلکہ طنز کے ہلکے پھلکے تیر چلا کر یا مزاح کے شگفتہ پھول کھلا کر آگے بڑھ گئے۔

پاکستانیت کا گہرا احساس جمیل الدین عالی کے سفر ناموں میں بھی نظر آتا ہے۔ انھوں نے جبری ہجرت کے مظالم دیکھے اور سہے تھے۔ لہٰذا انھوں نے اپنے سفر ناموں میں کئی جگہ ہندوستان کے مقابلے میں پاکستان کی تعریف کی ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''مجھے پاکستان ایک جنت کی طرح نظر آ رہا ہے۔ جہاں میں اپنے نام، اپنی زبان اور اپنے ایمان کی کھلی آزادی برقرار رکھ سکتا ہوں۔ پاکستان میری پناہ گاہ ہے۔ جو میرا گھر ہے۔ میرا وطن۔ ہے جس نے مجھے اور میری نسلوں کو ایک حال اور مستقبل کی ضمانت دے رکھی ہے۔'' ۱۶۰؎

رضا علی عابدی کے سفر نامے ''جہازی بھائی'' میں پاکستانی سیاست دانوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں ملتی بلکہ ایک ناگواریت کا احساس ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پاکستانی سیاست دان اور حکمران جھوٹے اور مکار ہیں۔ بیرونِ ملک جا کر بھی جھوٹے وعدے کرتے ہیں اور وقت آنے پر مکر جاتے ہیں، جس سے بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں اور پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے بیگم نون کا واقعہ تحریر کیا ہے۔ ۱۶۱؎ ''شیر دریا'' تو پاکستان اور پاکستانیوں کی کہانی ہے۔ اس تصنیف میں پاکستانیوں کے متعدد مسائل کی نشان دہی ہو گئی ہے مثلاً لڑکیوں کے اسکول اور لڑکوں کے لیے کالج نہ ہونے کا مسئلہ۔ (ص۔۱۱۶) بجلی کی پیداوار کی عدم منصوبہ بندی (ص۱۲۲) کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا مسئلہ (ص۱۲۲) صاف پانی کی عدم دست یابی (ص ۱۵۸) منشیات کا بڑھتا استعمال (۱۵۸) جادو ٹونہ، تعویز، گنڈوں کا مسئلہ (ص۱۹۴) سندھ میں ہونے والے لسانی فسادات (ص۲۶۱، ۲۸۲) بے روزگاری، نوجوان نسل کی بے راہ روی (ص ۲۶۸، ۲۸۶، ۲۹۲) آدرشوں کا ٹوٹنا (ص۲۳۷) جہیز اور شادی بیاہ کے دیگر مسائل (ص ۲۸۳)، تعلیمی مسائل (ص ۲۸۵) اور تھانے داری نظام (ص۳۰۲) وغیرہ۔ حکیم محمد سعید کے سفر ناموں میں پاکستان کے مذکورہ بالا مسائل کے علاوہ بھی سینکڑوں مسائل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ موضوعات کی وسعت اور فکری توانائی میں کوئی بھی سفر نامہ نگار، حکیم محمد سعید کا ہم سر نہیں ہے۔ وہ اکیلے ہی اس میدان کے مردِ میداں ہیں۔

علامہ محمد تقی عثمانی کے سفرنامے ''جہانِ دیدہ'' میں بھی پاکستانیت کی مہک موجود ہے۔ وہ پاکستان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

''وطن کی مٹھاس کا صحیح اندازہ کچھ عرصے وطن سے باہر رہ کر ہی ہوتا ہے۔ زرق برق مغربی ملکوں کے طویل سفر کے بعد اپنا یہ سادہ اور بہ ظاہر بے رنگ ماحول اتنا دل کش اور اتنا پیارا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں ترقی یافتہ ملکوں کی آب و تاب ہیچ نظر آتی ہے۔''[۱۶۲]

حکیم محمد سعید اور ان کے دور کے سفرنامہ نگاروں کا فکری مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ سفرنامہ نگار اگرچہ فکری اعتبار سے تہی دست نہیں لیکن ان کی طرح عمیق و بسیط، شدید اور مضبوط فکر کے حامل بھی نہیں ہیں۔ حکیم محمد سعید کی فکری اور نظریاتی جڑیں پاکستان، اسلام، مشرقی اقدار اور انسانیت کی زمین میں بہت گہرائی تک پیوست تھیں اور انھیں دنیا کا کوئی دوسرا نظریہ اکھاڑ نہیں سکتا تھا۔ نظریات میں استقامت، وسعت اور گہرائی میں کوئی دوسرا سفرنامہ نگاران کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اُنھوں نے مالی منفعت، حصولِ شہرت یا ادبی مشغلے کے طور پر سفرنامے تحریر نہیں کیے بلکہ وہ اس راستے پر چلے جس کی داغ بیل سرسید احمد خان ڈال گئے تھے۔

حکیم محمد سعید پاکستان کے ہر بڑے شہر بھی گئے تھے۔ انھوں نے اپنے سفرناموں میں مشرق و مغرب اور پاکستان کا موازنہ خوب کیا ہے مثلاً جب وہ فن لینڈ گئے تو انھوں نے دیکھا کہ سڑکوں پر سگریٹ کے ٹکڑے تو موجود ہیں مگر کوڑا کرکٹ کہیں نہیں ہے۔ گلیاں صاف اور بازار ٹین اور گتے کے ڈبوں سے پاک ہیں۔ پلاسٹک کے شاپنگ بیگ ہوا میں نہیں اڑ رہے اور نہ ہی کوئی ڈرائیور یا مسافر گاڑی میں سے باہر تھوک رہا ہے۔ لوگوں کو انھوں نے ٹریفک کے قوانین کی پابندی کرتے دیکھا۔ وہ کئی دن فن لینڈ میں رہے لیکن لوگوں کو آپس میں لڑتے جھگڑتے نہیں پایا۔ اس کا تقابل جب انھوں نے پاکستان سے کیا تو لکھا کہ قانون شکنی اور گندگی پاکستان کی پہچان ہے اور جگہ جگہ دنگے، فساد اور لڑائی جھگڑوں کے مناظر عام ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ مہنگائی کے حوالے سے یہ ملک سستا اور اچھا ہے۔[۱۶۳]

وہ لکھتے ہیں کہ مغرب میں عورت ہو یا مرد، احساسِ فرض سے سرشار ہے۔ پابندیٔ وقت کا قائل ہے۔ فرض کی ادائی اس کا اصول ہے۔ خدمت کو مقدس جذبے کے طور پر کرتا ہے۔ تعاون اور اشتراک اس کی گھٹی میں پڑے ہیں جب کہ مسلمانوں نے ان تمام روایات حسنہ کو ترک کر دیا ہے۔[۱۶۴] ان کا تجزیہ تھا کہ مغرب میں سلامتی فکر نے ان معاشروں میں خلوص وانس کا سامان کر دیا ہے اور انسانی مزاج، کثافتِ فکر اور آلودگی سے پاک ہو گئے ہیں۔ [۱۶۵] ان کا تجربہ تھا کہ مغربی اقوام کے یہاں کام چوری کا کوئی تصور نہیں۔ لوگ نہایت دل جمعی اور محنت سے ہفتے میں پانچ دن کام کرتے ہیں مغرب میں ہر شخص اپنے کام اور اپنے ادارے سے محبت کرتا ہے جب کہ پاکستان میں لوگ محنت سے گھبراتے ہیں۔ کام چور اور بددیانت ہیں۔ اسی لیے ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔[۱۶۶] اُنھوں نے اپنے سفرناموں میں تحریر کیا ہے کہ مسلمان کا مزاج جمہوری نہیں ہے۔ یہ مکمل شورائیت ہی کو برداشت کر سکتا

ہے یا کم از کم ایسی شوریٰ جیسی کہ امریکا میں ہے۔ان کا خیال تھا کہ پاکستان میں جمہوریت کی عمر بہت تھوڑی رہی ہے اور اس کم عمری میں بھی نظامِ جمہور کے کئی تجربے ہوئے۔

حکیم محمد سعید اپنے سفرناموں میں شورائیت کے حامی نظر آتے ہیں۔ان کا خیال تھا کہ پاکستان میں نہ مارشل لا چل سکتا ہے اور نہ ہی نام نہاد مغربی جمہوریت پروان چڑھ سکتی ہے۔ پاکستان کے نظامِ حکومت اور معاشرت کو صرف شورائی نظام ہی سے درست کیا جا سکتا ہے۔انھوں نے اپنے ایک سفرنامے میں یہ دعوا بھی کیا کہ پاکستان میں جنرل ضیا الحق کے دورِ اقتدار میں شورائی نظامِ حکومت کے مصنف و متحرک وہی تھے۔انھوں نے ہی جنرل ضیاء کو شورائیت کا اسلامی نقشہ بنا کر دیا تھا، مگر انھوں نے اس بات کی وضاحت بھی کی کہ جس قسم کی شورائی حکومت، جنرل ضیا کے دور میں قائم ہوئی۔وہ اسلامی شورائیت کی توہین تھی۔[۱۶۷]

حکیم محمد سعید نے پاکستان ہجرت کی وجہ مملکتِ خداداد سے اپنی محبت قرار دی ہے۔ تقسیمِ ہند کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ انگریز نے جان بوجھ کر برِصغیر کو تقسیم کیا، جس کا سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کو ہوا اور وہ تقسیم ہو کر کمزور ہو گئے۔ مسلمانوں کی عظیم تعداد اور قوت تین حصوں میں منقسم ہو گئی۔[۱۶۸]

تقسیمِ ہند کی طرح تقسیمِ پاکستان کے بارے میں بھی خیالات بہت واضح ہیں۔وہ اس تقسیم کا ذمہ دار مغربی پاکستان کے اہلِ اقتدار کو سمجھتے تھے کہ جنھوں نے بنگالیوں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھا، جس سے ان میں احساسِ محرومی پیدا ہوا اور یہ احساس آگے چل کر علیحدگی کے نظریات میں تبدیل ہو گیا،صرف ایوب خان کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ اس نے جنرل اعظم خان کو گورنر مشرقی پاکستان مقرر کر کے،اس کے ذریعے مشرقی پاکستان میں تعمیر و ترقی کے دروازے کھولنے کی کوشش کی مگر بہت تاخیر ہو چکی تھی۔[۱۶۹] وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ آدھا پاکستان گنوانے کا ہمیں بہ حیثیت قوم کوئی رنج و غم نہیں۔ہم اپنے طلبہ کو پاکستان کے سچے جغرافیے کے علم سے محروم رکھے ہوئے ہیں اور کسی درسی کتب میں یہ نہیں بتاتے کہ بنگلا دیش، مشرقی پاکستان اور پاکستان کا حصہ تھا۔[۱۷۰] حقیقت تو یہ ہے کہ حکیم محمد سعید کے سفرنامے ان کے افکار و خیالات کے روشن نشانات ہیں اور ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم ماخذ بھی۔

حکیم محمد سعید نے اپنے سفرناموں میں مغربی معاشروں اور افراد کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ خصوصاً، وہ مغرب کی دورخی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ملکی و عالمی معاملات میں مغرب دوغلے پن کا شکار ہے۔وہ جب جنوبی افریقہ گئے تو انھیں معلوم ہوا کہ وہاں مجرموں کو پھانسی دینے کا رواج ہے۔ ہر سال تقریباً ۱۰۰ مجرموں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ انھوں نے اس ضمن میں تحریر کیا کہ سفید فام لوگ جو یورپ اور امریکا میں سزائے موت کے خلاف شدید احتجاج کرتے ہیں وہ جنوبی افریقہ میں سزائے موت دیے جانے کے خلاف بالکل خاموش ہیں۔

حکیم محمد سعید ۱۹۷۸ء میں روس گئے تو انھوں نے وہاں دیکھا کہ روس میں اگرچہ لادینیت ہے مگر روسی قوم کی منزلِ مقصود متعین ہے۔ان کا ایک مقصدِ حیات ہے، جب کہ پاکستان میں ہم اسلام کا نام لیتے نہیں تھکتے اور اسے اپنا نظریۂ حیات بھی گردانتے

ہیں مگر یہ صرف زبانی باتیں ہیں۔عمل کچھ بھی نہیں ہے۔ان کے ہر سفر نامے میں پاکستانیوں اور مسلمانوں کا مغربی اقوام سے تقابل ضرور کیا گیا ہے۔وہ اس فکری قبیلے سے تعلق رکھتے تھے جو عہدِ حاضر میں بھی مسلمانوں کو قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی طرح سے شان دار، طاقت ور، خوش حال، پرامن، تعلیم یافتہ اور مہذب دیکھنا چاہتا ہے۔انھوں نے تقریباً تمام سفر ناموں خصوصاً نونہالوں اور نوجوانوں کے لیے تحریر کردہ اسفار میں ماضی کے مسلمانوں کی خوبیاں ضرور بیان کی ہیں۔اہلِ علم وفن کے بیان سے اپنے سفر ناموں کو مزین کیا ہے۔مقصودِ نظر موجودہ زمانے کے حکمرانوں، سیاست دانوں، اہلِ علم و دانش، اہلِ ثروت اور مسلمان نونہال اور نوجوان کو یہ سمجھانا ہے کہ آج بھی دنیا کے کتب خانوں میں مسلمانوں کی تحریر کردہ لاکھوں کتابیں موجود ہیں جو مسلمانوں کی توجہ کی منتظر ہیں۔آج بھی مسلمان، ماضی کے مسلمانوں کی خصوصیات پیدا کرلیں تو دوبارہ سے اقوامِ عالم کی صفوں میں اپنی جگہ بنا سکتے ہیں۔

حکیم محمد سعید کی عالمی حالات و واقعات اور سیاست پر بھی گہری نگاہ تھی۔وہ دیکھ رہے تھے کہ یورپی ممالک نے بھائی چارے اور اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے سفر کے لیے یورپ میں پاسپورٹ اور ویزے کی پابندیاں ختم کردی ہیں۔تجارت کے لیے یورپین کامن مارکیٹ بنائی ہے۔جب کہ ان کے مقابلے میں مسلم دنیا انتشار و افتراق کا شکار ہے۔۷۱؎

حکیم محمد سعید نے اپنے سفر ناموں میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ روس اور امریکا پوری قوت کے ساتھ عالمِ اسلام کو دبانے اور منتشر رکھنے کی پالیسی اختیار کیے ہوئے ہیں۔۷۲؎ ان کا مشاہدہ و مطالعہ تھا کہ ایک دن ایسا آکر رہے گا کہ جب لینن کے نظریات شکست کھا جائیں گے۔روس کی اقتصادی کم زوری سے یہ عمل مزید تیزی سے ہوگا۔مغرب اور مشرق دونوں روس پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے مگر روس کے اندرونی انقلاب کا فائدہ صرف یورپ کو پہنچے گا۔مزید یہ کہ مغرب کا اندازِ فکر، ایک دن مشرق پر بھی غالب آکر رہے گا۔۷۳؎ان کے زمانے کے سفر نامہ نگاروں میں ابنِ انشا نے، ملکی و عالمی سیاست پر بے حد اختصار سے نظر ڈالی ہے۔ان کے سفر نامے ''دنیا گول ہے'' میں پاکستان سے متعلق خیالات مل جاتے ہیں جو ابنِ انشا کے دیگر سفر ناموں سے قدرے زیادہ ہیں۔انھوں نے دنیا پر امریکی ثقافتی و سیاسی اثرات کا ذکر بھی کیا ہے۔۷۴؎ امریکی ثقافتی و سیاسی اثرات کا ذکر مستنصر حسین تارڑ کے ہاں بھی ہے۔وہ طنزیہ انداز رقم طراز ہیں کہ۔

> ''امریکا کو کاغذی شیر قرار دینے والے اور پھر ثابت کردینے والے ماؤزے تنگ کے مقبرے پر آج میکڈونلڈ کے اشتہار کی روشنیاں جلتی بجھتی ہیں۔بیجنگ جہاں ایک زمانے میں ہر نوجوان کے ہاتھوں میں ماؤ کی سرخ کتاب ہوا کرتی تھی۔آج ان کے ہاتھوں میں کے ایف سی کے چکن ہوتے ہیں۔''۷۵؎

مستنصر حسین تارڑ کے برخلاف علامہ محمد تقی عثمانی کا خیال ہے کہ مغرب یا امریکا میں تبلیغِ اسلام کے لیے یہ بہترین زمانہ ہے اور اس کے مفید نتائج برآمد ہوں گے۔۷۶؎ حکیم محمد سعید کی بھی پیشن گوئی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا، جب امریکا آغوشِ اسلام میں چلا جائے گا۔۷۷؎

حکیم محمد سعید نے امریکا کے متعدد اسفار میں دیکھا کہ جگہ جگہ اسقاط حمل کے اشتہارات، سائن بورڈ کی شکل میں لگے ہوئے ہیں۔انھیں ایک بس پر یہ جملہ Stop youth from voilence to elder بھی لکھا ہوا نظر آیا، جس سے امریکی معاشرت کی بے لگام آزادی کی عکاسی ہوتی تھی ۱۷۸ امریکی عوام کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہاں کالوں اور گوروں میں فکری اور ذہنی فرق موجود ہے۔معاشرے میں گوروں کو برتری حاصل ہے لیکن امریکی کالے بھی تعلیم یافتہ اور اپنے حقوق کا شعور رکھتے ہیں۔۱۷۹ ان کے سفرناموں میں امریکا، امریکیوں، امریکی عالمی سیاست اور معاشرت سے متعلق ان کے خیالات بہت واضح ہیں خصوصاً ''نقش سفر'' میں انھوں نے اس موضوع پر کھل کر بحث کی ہے اُن کی نظر صرف مغربی اقوام اور معاشروں ہی پر نہیں تھی۔وہ عرب اور مشرقی ممالک کے سفر بھی کر چکے تھے۔ لہٰذا عربوں، مسلمانوں اور عالم اسلام سے متعلق ان کی خیالات بھی بہت واضح ہیں۔انھوں نے لکھا ہے کہ عہدِ حاضر کے عربوں اور مسلمانوں کا اپنی تہذیب وتمدن اور ثقافت سے کوئی رشتہ نہیں۔ وہ تعلیم وتعلم، سائنس اور حکمت سب کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔۱۸۰

پاکستان سے باہر اور خصوصاً مغربی ممالک جانے والے سیاحوں کی پہلی نظر مغرب کی عریانیت اور فحاشی پر پڑتی ہے۔ ہر سفرنامہ نگار کا ذوق، تجربہ اور نظریہ اس ضمن میں مختلف ہوسکتا ہے۔عطاالحق قاسمی پیرس کے ان حصوں میں گئے، جہاں عورت برہنہ ناچتی اور فروخت ہوتی نظر آئی لہٰذا انھوں نے اپنے اس مشاہدے اور تجربے کی بنا پر اپنے خیالات پیش کیے۔ابن انشا نے لندن اور پیرس کی عریانیت اور فحاشی کا اپنے ہی انداز میں تجزیہ کیا ہے:

> ''ہم اتنا کہیں گے کہ پیرس میں لندن جیسا ابتذال نہیں۔لندن میں تو سیدھی سادھی جسم فروشی ہوتی ہے۔پیرس میں لب وکنار کی دعوتیں ضرور ہوتی ہیں چھاتی سے لگا چوم لیا، ہوگئے چپکے لیکن غنڈہ گردی اور بیسواپن نہیں۔عاشقی بھی سلیقے کی اور فاسقی بھی سلیقے کی۔''۱۸۱

اردو کے ہر بڑے سفرنامہ نگار نے مغربی معاشرے کا نہایت باریک بینی سے مشاہدہ کیا ہے۔سب کا تجربہ یہی کہتا ہے کہ بعض مغربی ممالک میں رات گئے بعض جگہیں سیاحوں اور دیگر افراد کے لیے خطرناک ہوجاتی ہیں۔مغرب نے جنس سے لذت کشید کرنا معمول بنالیا ہے۔ساحلِ سمندر کے مخصوص حصوں میں لباس سے مکمل نجات حاصل کرلی گئی ہے۔

حکیم محمد سعید نے مغربی ممالک خصوصاً امریکہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی، عریانی اور فحاشی کو اپنے سفرناموں میں ہدفِ تنقید بنایا ہے۔وہ اس بات کا واضح ذکر کرتے ہیں کہ مغرب اور خصوصاً امریکی معاشرہ تباہی کے دہانے پر پہنچ گیا ہے۔وہ ۱۹۷۲ء میں امریکی وزارتِ صحت کی دعوت پر امریکا گئے تھے۔ یہ ایک طویل مطالعاتی دورہ تھا۔اس دورے کے دوران، ۱۸/جون ۱۹۷۲ء کو نیویارک میں ان کی ایک میٹنگ ڈاکٹر ڈونلڈ کنفک Dr.Donald Kenefick سے ہوئی۔موصوف جنسی تعلیم کے حامی تھے جب کہ حکیم محمد سعید کا نقطۂ نظر تھا کہ جس طرح امریکا میں جنسی تعلیم دی جارہی ہے۔اس سے مستقبل میں سوائے فحاشی اور بدچلنی کے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا

اور ایک زمانہ، امریکی معاشرے کا ایسا ہوگا، جب فحاشی، عریانی، بداخلاقی اور بے مذہبی عروج پر ہوگی۔ تب امریکی معاشرہ زوال پذیر ہوجائے گا۔۱۸۲ وہ ۱۹۷۲ء کے بعد بھی کئی مرتبہ امریکہ گئے۔ ۱۹۹۴ء کے امریکی معاشرے کے بارے میں ان کی رائے تھی کہ:

> ''آج امریکا سخت عذاب میں مبتلا ہے۔ وہاں شادی کا تصور ختم ہو رہا ہے۔ شادی بیاہ کے بغیر بچے پیدا ہو رہے ہیں۔ اب وہاں طلاقوں کا زور بندھا ہوا ہے۔ امراض پھیل رہے ہیں۔ بیویاں غیر مردوں کے ساتھ جانے میں آزاد ہیں۔ مرد جس کی بیوی کو چاہیں ساتھ لے جائیں۔''۱۸۳

علامہ محمد تقی عثمانی نے بھی اپنے سفرنامے میں مغرب کی انھی خرافات کو اچھا نہیں کہا ہے۔۱۸۴ البتہ اردو سفرنامہ نگاروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو مغرب کے اس رنگ میں خوب رنگے۔ مستنصر حسین تارڑ نے مغرب و مشرق کے کئی ممالک چھان ڈالے۔ وہ لکھتے ہیں کہ سترہ سالہ زندگی میں کسی لڑکی کے ٹخنے بھی عریاں نہیں دیکھے تھے مگر اس سفر کے دوران قاہرہ کے ایک نائٹ کلب میں برہنہ ناچتی عورتوں کو دیکھ کر اُن کا مزاج اس قدر بدل جاتا ہے کہ بعد میں وہ پارسائی کی روکھی پھیکی زندگی گزارنے کو پسند نہیں کرتے۔۱۸۵ لہٰذا اُن کے یہاں عورت اور مغرب سے متعلق خیالات، حکیم محمد سعید سے بالکل مختلف ہیں۔ اسی طرح سے شفیع عقیل نے بھی مغرب ہی نہیں بعض مشرقی ممالک کی جاگتی راتوں کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اپنے سفرنامے میں دمشق کے ان نائٹ کلبوں کا نقشہ کھینچا ہے جو لندن پیرس اور نیویارک کے نائٹ کلبوں کو بھی شرماتے ہیں۔۱۸۶ شفیع عقیل عرب رقاصاؤں ویلیام برکات، نورہ احمد، سمعیہ، جیجاں اور نورالامارہ کا نام لے لے کر ان کے بدن اور رقص کا احوال بیان کرتا ہے۔ جس طرح سے شفیع عقیل نے عرب رقاصاؤں کے برہنہ و نیم برہنہ جسموں سے لطفِ زیست اٹھایا ہے اور قاری کو بھی یہ سہولت فراہم کی۔ حکیم محمد سعید کی زندگی، اس طرح کی راتوں اور باتوں سے مبرا تھی۔

حکیم محمد سعید کی فکر و نظر سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انسان کو گھنے سایہ دار درخت کی مثال ہونا چاہیے۔ جیسے ایک درخت کسی پرندے کی نسل نہیں پوچھتا اور نہ کسی مسافر سے معلوم کرتا ہے کہ وہ کون ہے؟ اپنا ہے یا پرایا! سب کو سایہ، ٹھہرنے اور ستانے کی جگہ فراہم کرتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ انسان کو بھی بڑا ہونا چاہیے۔ تعلیم، محبت، احترام اور خدمت انسان کو بڑا بناتی ہیں۔ انسان دوسروں کو سایہ اور سہارا دے کر بڑا بنتا ہے۔۱۸۷ انھوں نے ایک سفرنامے میں تحریر کیا ہے کہ وہ انسانوں میں فرق کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک ہر انسان قابل احترام ہے اور اسے اس کرۂ ارض پر زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ ہر انسان اپنے عقیدے اور مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا استحقاق رکھتا ہے، لیکن بلند مرتبہ انسان وہ ہے جو محبت اور امن کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ حکیم محمد سعید کے بہ قول قدرت کا اٹل اصول ہے کہ جو اچھا ہوگا، وہی غالب رہے گا۔۱۸۸

وہ علم کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ علم ایک وسیع خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ عقل اس خزانے کی طاقت ہے جو کبھی پرانی نہیں ہوتی۔ علم عمل کو پکارتا ہے۔ عمل علم کو آواز دیتا ہے۔ اگر علم کو عمل مل جائے تو دونوں ساتھ رہتے ہیں ورنہ علم چلا جاتا ہے۔۱۸۹ تحقیقِ علمی کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اسلام نے تحقیق پر بہت زور دیا ہے۔ تحقیق کے بغیر نہ علم زندہ رہ سکتا ہے اور نہ قوموں کو

حیات مل سکتی ہے۔اقوام کی زندگی،علم سے ہے اور علم کی تحقیق سے۔۱۹۰ حکیم محمد سعید مسلمانوں کے ماضی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا کہ مسلمان اور عرب علم کے جویا تھے۔عربی علمی زبان تھی۔انھوں نے نویں صدی سے چودھویں صدی تک ہر علم وفن کی بنیادیں استوار کیں بلکہ ان پر شان دار عمارات تعمیر کرنے کا سلسلہ جاری رکھا، آج بھی یورپ کے کتب خانوں میں مسلمانوں کی تحریر کردہ لاکھوں کتابیں موجود ہیں جو مسلمانوں کی توجہ کی منتظر ہیں مگر جب مسلمان علم وحکمت سے غافل ہوئے تو علم ان سے منتقل ہو کر مغرب میں چلا گیا اور انگریزی علمی و عالمی زبان بن گئی۔۱۹۱ حکیم محمد سعید کے برخلاف ابن انشا نے یورپ میں ان کتابوں کو دوسرے نقطۂ نظر سے دیکھا۔ان کا دل نہ تو علامہ اقبال کی طرح سے سی پارہ ہوا اور نہ وہ حکیم محمد سعید کی طرح سے مسلمان حکمرانوں کی بے حسی پر گرجے برسے بلکہ انھوں نے سوچا کہ اگر یہ علمی خزانہ ہمارے یہاں ہوتا، تو نہ جانے کب کا برباد ہو چکا ہوتا۔کون ان کتابوں کی درجہ بندی کرتا اور کون انھیں سلیقے سے محفوظ رکھتا۔مغرب والوں نے مسلمانوں کی تحریر کردہ کتابوں کو اپنے سینے سے تو لگا رکھا ہے۔۱۹۲ لیکن جمیل الدین عالی، جب برٹش میوزیم لائبریری پہنچے اور مسلمان علما و سائنس دانوں کی تحریر کردہ کتابیں دیکھیں تو انھیں علامہ اقبال کا شعر یاد آ گیا۔

خزانے علم و حکمت کے، کتابیں اپنے آبا کی
کہ دیکھو جن کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے تو سی پارہ

وہ مسلمانوں کی تحریر کردہ کتب کو دیکھتے ہوئے، اتنے جذباتی ہوئے کہ لائبریری سے نکل کر رسل اسکوائر کی جانب روانہ ہو گئے۔ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی ناموس کو غیر کے گھر نہیں دیکھ سکتے۔۱۹۳ حکیم محمد سعید کی فکر کا ایک نکتہ یہ بھی تھا کہ اگر انسان کی زندگی کے لمحات کسی صاحب علم وفضل کے ساتھ گزر جائیں اور وہ اس صحبت سے کچھ حاصل کر لے، تو ان لمحات کو اس انسان کی زندگی کا بہترین وقت شمار ہونا چاہیے۔۱۹۴ دراصل انھیں تعلیم اور تعلیمی مسائل سے ذاتی دل چسپی تھی۔۱۹۵ انھوں نے علم، قدر علم، علمی مراکز، نصابِ تعلیم، علمِ جغرافیہ اور علمِ تاریخ کی اہمیت پر اپنے سفرناموں میں بارہا قلم اٹھایا ہے۔

حکیم محمد سعید کا خیال تھا کہ پاکستانی سیاسی جماعتوں نے علمی مراکز میں داخل ہو کر نہ صرف طلبہ کو اپنا آلۂ کار بنا لیا ہے بلکہ کاذب اور ظالم سیاسی رویوں کے ذریعے، استاد کو غیر محترم کر دیا ہے۔عالم، امام اور استاد کی بے توقیری کی ایک اور وجہ انھوں نے کم تنخواہ بھی قرار دی ہے۔۱۹۶ ان کا نقطۂ نظر تھا کہ بے شک پاکستان میں اہل علم کی قدردانی میں حکومت اور متمول طبقہ، عدم دل چسپی رکھتا ہے مگر اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مایوس ہو کر بیٹھ جایا جائے بلکہ کوشش کرنی چاہیے کہ پاکستان میں فکری انقلاب پیدا ہو اور اہلِ اقتدار اور اہلِ ثروت کو علم و ادب اور علما اساتذہ اور اماموں کی عزت و تکریم کے لیے تیار کیا جائے۔۱۹۷

حکیم محمد سعید کی توجہ جامعات پر لازماً ہوتی تھی۔وہ دنیا کے جس شہر بھی گئے۔وہاں کی جامعات کا انھوں نے ضرور دورہ کیا۔ اوسٹریلیا کے شہر کینبرا کی اوسٹریلین نیشنل یونیورسٹی دیکھنے کے بعد انھیں خیال آیا کہ یہاں کی جامعات کتنی عظیم ہیں۔علوم و فنون کا مرکز ہیں۔ایک طرف یہ جامعات ہیں کہ دن رات خدمتِ علم و عالم میں مصروف ہیں جب کہ دوسری طرف پاکستانی جامعات ہیں جو صرف

ڈگریاں بانٹنے میں مصروف ہیں یا پھر سیاسی اکھاڑہ بنی ہوئی ہیں۔ جامعات کے ساتھ ساتھ وہ طلبہ کا ضرور جائزہ لیتے تھے، ان کا مشاہدہ ومطالعہ تھا کہ مغرب کے طالب علم ستاروں پر کمند ڈال رہے ہیں جب کہ ہمارے طلبہ فلمی ستاروں کے دام میں گرفتار ہیں۔۱۹۸ دنیا بھر کے علمی مراکز کو دیکھتے بھالتے انھیں مدینۃ الحکمت اور جامعہ ہمدرد ضرور یاد رہتے۔ یہ ان کی عظیم خواہش کے مظہر تھے۔ انھوں نے ''جامعۂ ہمدرد'' کے بارے میں تحریر کیا ہے کہ اس جامعہ کا مزاج اسلامی ہوگا کیوں کہ ہمدرد کی وجۂ شہرت یہی ہے اس جامعہ سے انسان مومن بن کر میدانِ عمل میں آئیں گے اور پاکستان کو طاقت وتوانائی فراہم کریں گے۔۱۹۹ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ایک دن جامعہ ہمدرد کا شمار دنیا کی بڑی جامعات میں ہوگا۔۲۰۰

حکیم محمد سعید نے اپنے سفرناموں میں فرقہ واریت کو قطعاً خلاف قرآن وسنت اور روحِ دین اسلام قرار دیا اور کہا کہ عہد حاضر کے علما اور مولوی حضرات نے فرقے بنا لیے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے کے خلاف جنگ وقتال میں مصروف ہے۔ ان کے خیال میں اس عمل نے اسلام اور پاکستان دونوں کا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔۲۰۱ افکارِ سعید پاکستانی معاشرے کو روشن خیالی اور اعتدال کی راہ دکھاتے ہیں۔ حکیم محمد سعید کی طرح ابن انشا بھی ملا اور اس کی تنگ نظری کے شدید مخالف تھے۔ انھوں نے ماہِ رمضان کی فضیلت کے حوالے سے کی جانے والی باتوں پر نہایت شگفتہ انداز میں طنز کیا ہے۔ وہ تحریر کرتے ہیں کہ:

> ''اہل دین ودانش کی طرف سے اس ایک مہینے کے تقدس پر اتنا زور دیا جاتا ہے اور رمضان میں برائیوں سے بچنے کی اس طور پر تلقین کی جاتی ہے کہ لامحالہ خیال آتا ہے کہ باقی مہینے میں کچھ بھی کر لیا جائے تو چنداں ہرج کی بات نہیں۔''۲۰۲

ملائیت اور فرقہ بندی پر رضا علی عابدی نے بھی اپنے سفرناموں میں تحریر کیا ہے۔ انھیں ماریشس (۱۹۹۴ء) جا کر معلوم ہوا کہ پہلے یہاں مسلمانوں کے درمیان شیعہ، سنی، دیوبندی اور بریلوی کا جھگڑا نہیں تھا۔ تمام مسلمان ایک مسجد ہی میں نماز ادا کرتے تھے مگر بیرونِ ملک سے آنے والے مولویوں نے ماریشس کے مسلمانوں میں مسالک کے جھگڑے پیدا کر دیے۔ اب ہر فرقے کی مسجد الگ ہے۔۲۰۳ حکیم محمد سعید کے ہم عصر سفرنامہ نگاروں میں مستنصر حسین تارڑ بھی ملائیت اور مذہب کے نام پر جہالت کے بڑے مخالف ہیں۔ ان کے نقطۂ نظر کے مطابق عہدِ حاضر میں مذہب وہ خنجر ہے جو ہر اختلاف کرنے والے شخص کے سینے میں بے دریغ گھونپا جا رہا ہے۔۲۰۴ وہ اپنے ایک سفرنامے میں ایک مولوی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے:

> ''میرے برابر میں ایک نوجوان اور قدرے متکبر مولانا تشریف فرما تھے۔۔۔ جب آئے تو سلام دعا کے بغیر نشست پر براجمان ہو کر تسبیح میں مشغول ہو گئے۔۔۔ واہیات سے رنگ کی شلوار قمیض، سر پر ایک سیاہ چوکور ٹوپی جس میں سے ان کی دراز زلفیں ست سنپولیوں کی مانند لہراتی تھیں۔''۲۰۵

مستنصر حسین تارڑ نے نہ صرف موجودہ زمانے کے سکہ بند مولویوں کے بارے میں سخت رویہ رکھا ہے بلکہ وہ اس سے کئی قدم آگے جا کر تمام مذاہب اور عقائد کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں کہ:

"ہر مذہب اور عقیدے کی جنت جدا ہوتی ہے۔ اس خطے کی ناآسودہ خواہشوں کی تصویر ہوتی ہے۔ صحرانشین، پانی اور شہد کی نہروں کے خواب دیکھتا ہے۔"۲۰۶

علامہ محمد تقی عثمانی نے بہ حیثیت دینی عالم فرقہ واریت پر نظر ڈالی ہے۔ انھیں بھی اس بات کا افسوس ہے کہ مسلمان فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور اس کی بنیادی وجہ بعض علما کا منفی کردار ہے۔ علامہ جب چین کے صوبے کانسو کے دارالحکومت لانچو پہنچے تو ان کے میزبان، چائنا مسلم ایسوسی ایشن کے صدر شیخ یونس پان سن نے انھیں بتایا کہ چینی مسلمانوں کی سادہ زندگی میں، بعض علما نے فرقہ واریت اور مسالک کا زہر گھول دیا ہے۔۲۰۷ حکیم محمد سعید کے ہم عصر سفرنامہ نگاروں میں جمیل الدین عالی نے بھی اپنے سفرناموں میں فرقہ بندی اور ملائیت کی مذمت کی ہے۔۲۰۸

حکیم محمد سعید سفرناموں میں تربیتِ اطفال اور نوجوانان ایک اہم اور بڑا موضوع ہے۔ اُن کی خواہش تھی کہ پاکستان کے نونہال مستقبل میں معمارِ پاکستان اور عظیم الشان بنیں۔۲۰۹ اپنے سفرناموں میں وہ بچوں کو سکھاتے ہیں کہ انھیں صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔ اپنے اسکول کو گندہ نہیں کرنا چاہیے۔ اسکول میں تھوکنا اور کاغذ پھاڑ کر پھینکنا وغیرہ سب خراب عادتیں ہیں، اسی طرح سے گھر، محلے اور شہر سب کو صاف رکھنا چاہیے۔۲۱۰

وقت کی پابندی اور دیانت حکیم محمد سعید کے خمیر کا جزوِ خاص تھیں۔ وہ خود وقت کے نہایت پابند تھے۔ اکثر اوقات انھیں کسی تقریب میں آتا دیکھ کر شرکا اپنی اپنی گھڑیوں پر نظر ڈالتے تھے۔ انھیں یقین ہوتا تھا کہ حکیم محمد سعید وقتِ مقرر پر آئے ہوں گے۔ یہی حال ان کی دیانت کا بھی تھا۔

وہ اپنے سفرناموں میں یہ حدیث بچوں کو ضرور سمجھاتے تھے کہ اگر تم دریا کے کنارے بھی بیٹھے ہو تو پانی کے ایک قطرہ کو بھی ضائع نہ کرو۔ اس حوالے سے وہ بچوں کو چیزوں کے بے جا اسراف سے روکتے تھے۔۲۱۱ جس طرح سے پاکستان میں پانی عدم دستیاب ہوتا جا رہا ہے، اس صورتِ حال میں بچوں اور نوجوانوں کی فکری تربیت نہایت ضروری ہے۔ وہ نونہالوں کو یہ نصیحت بھی کرتے نظر آتے ہیں کہ گھر میں جو چیز جہاں رکھی ہو، استعمال کر کے اسے وہاں ہی رکھنا چاہیے۔ گھر میں کتابیں اور کاپیاں بکھری ہوئی نہیں ہونا چاہییں۔۲۱۲ خوفِ خدا، شکر اور تکبر کے بارے میں وہ اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ انسان کو ہر حال میں خدا سے مدد اور تحفظ مانگنا چاہیے۔ خدا تکبر کو پسند نہیں کرتا۔ مغرور آدمی کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا ہے لہٰذا نونہالوں اور نوجوانوں کو ہمیشہ غرور سے بچے رہنا چاہیے۔۲۱۳ اُن کا نقطۂ نظر تھا کہ اسلام کی خواہش ہے کہ ایسے افراد تیار کیے جائیں جو مضبوط سیرت و کردار کے مالک اور خوفِ خدا کے حامل ہوں۔۲۱۴

حکیم محمد سعید نے اسفار کے دوران دیکھا تھا کہ ترقی یافتہ اور مہذب اقوام نے جگہ جگہ بچوں کی سیر و تفریح اور صحت کے لیے پارک اور باغات بنا رکھے ہیں۔ تعلیم لازمی ہے۔ اگر کوئی والدین اپنے بچوں کو اسکول نہ بھیجیں تو یہ قانوناً جرم سمجھا جاتا ہے۔۲۱۵ وہ

اپنے سفرناموں میں نونہالوں اورنوجوانوں کی ہر پہلو سے تربیت کرنا چاہتے تھے۔انھیں معلوم تھا کہ احساس کم تری بہت بری بلا ہے۔ احساسِ کم تری اقوام کو تباہ کر دیتی ہے۔قوموں میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا جذبہ ختم ہوتا جاتا ہے۔لہٰذا انھوں نے نونہالوں اورنوجوانوں کواحساسِ کمتری سے بچنے کی تاکید کی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ اس وقت پوری پاکستانی قوم، انگریزی زبان کے حوالے سے شدید احساسِ کمتری کا شکار ہے۔وہ تحریر کرتے ہیں کہ پاکستان میں ۷۵ تا ۸۰ فیصد دکانوں کے سائن بورڈ انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں۔اداروں کے نام انگریزی میں ہیں۔کراچی کے ۸۰ فیصد اسکولوں کے نام انگریزی زبان میں ہیں ان کے نزدیک یہ ایک خطرناک رجحان ہے۔۲۱۶

حکیم محمد سعید نے نونہالوں اورنوجوان کے لیے تحریر کردہ سفرناموں میں مقصدِ حیات کے تعین پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور بڑے اہتمام سے مقصدِ حیات کی وضاحت اور اہمیت بیان کی ہے۔ان کا خیال تھا کہ انسان کو نہایت غور وفکر کے بعد اپنی زندگی کا اعلا مقصد منتخب کرنا چاہیے اور پھر لگن، ہمت اور محنت سے کام لے کر اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنا چاہیے۔اُن کا نقطۂ نظر تھا کہ جو انسان قصد کی طاقت نہ رکھتا ہو اور مقصد کا فیصلہ نہ کر سکے۔وہ انسان کام یاب ہو ہی نہیں سکتا۔انھوں نے اپنے سفرناموں میں نوجوانوں اور نونہالوں کو یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ بڑے انسانوں کی زندگی کے بارے میں لکھی گئی کتب کا مطالعہ کریں۔اس طرح خود ان میں جذبۂ علم و عمل پیدا ہوگا اور مقصدِ حیات متعین کرنے کا سلیقہ اور منزل کو حاصل کرنے کے راستے معلوم ہوں گے۔۲۱۷

حکیم محمد سعید نے نونہالوں کے لیے تحریر کردہ ایک سفرنامے میں Efficiency اور Inefficiency کے بارے میں اپنے اور اپنے جرمن دوست ڈاکٹر ہون ہولز کے خیالات کو بیان کیا ہے۔ان دونوں حضرات کے خیال میں ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ اقوام کے درمیان Efficiency کا فرق ہوتا ہے غیر ترقی یافتہ قومیں In Efficient ہوتی ہیں۔انھوں نے Efficiency کے معنی صلاحیت اور کام میں حسن اور عمل میں سچائی کے بتائے ہیں۔انھوں نے نونہالوں اور نوجوانوں کو Efficient بننے کی ترغیب دی ہے۔۲۱۸

حکیم محمد سعید کا نقطۂ نظر تھا کہ پاکستانی بچوں کو سائنس پر توجہ دینی چاہیے اور پاکستان میں سائنس کی تعلیم کا انتظام بالکل نئے انداز سے ہونا چاہیے۔وہ نوجوانوں اور نونہالوں کو یہ بھی مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ٹیلی ویژن پر صرف سائنسی پروگرام دیکھیں اور انھی پر توجہ دیں باقی پروگرام دیکھنے کا سلسلہ ترک کر دیں۔۲۱۹ بہ طور طبیب اور دانش ور حکیم محمد سعید ٹیلی ویژن کے طبی واخلاقی مضر اثرات سے باخبر تھے۔انھیں یہ بھی علم تھا کہ پاکستانی ٹیلی ویژن کے پروگرام اسلامی ثقافت سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔دوسری طرف دنیا بھر کے چینل، ڈش اینٹینا کے ذریعے پاکستانی معاشرے میں اپنے خراب پروگرام دکھا رہے ہیں۔

حکیم محمد سعید کراچی میں رہتے تھے اور روزانہ ان کا سفر کراچی کی سڑکوں پر ہوتا تھا۔وہ دیکھتے تھے کہ کراچی کے باشندے بسوں میں ٹھنس ٹھنسا کر سفر کرنے پر مجبور ہیں اور دوسری طرف لوگ ہزار ہا کاریں خرید کر اس مسئلے کا حل نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر

وہ جانتے تھے کہ یہ مسئلہ بڑی بسوں کے چلانے سے حل ہوگا جیسا کہ لندن میں ہر دومنٹ بعد سفر کے لیے بس دست یاب ہوتی ہے۔ان کا نقطۂ نظر تھا کہ پاکستان میں کاریں درآمد کرنا سراسر عیاشی ہے اور اسے بند ہونا چاہیے۔[۲۲۰] حکیم محمد سعید تحریر کرتے ہیں کہ پاکستان میں کثرت سے کاریں درآمد کی جارہی ہیں جس سے نہ صرف غربت و امارات کا فرق بڑھ رہا ہے بلکہ ٹریفک اور آلودگی کے بڑھتے ہوئے مسائل کا بھی سامنا ہے۔اپنے بعض سفرناموں میں تو وہ اس قدر مشتعل نظر آتے ہیں کہ نوجوانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ تمام قیمتی کاروں کو آگ لگا کر بھسم کر دیا جائے کیوں کہ ان کاروں میں پیٹرول کی جگہ پاکستانیوں کا خون جلتا ہے اور یہ کاریں غریب پاکستانیوں کے خون پسینے کی کمائی چرا کر خریدی گئی ہیں۔[۲۲۱] حکیم محمد سعید کو کراچی سے محبت تھی۔اس شہر میں پیدا ہونے والی شورش کو وہ بہت گہری نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔ان کا خیال تھا کہ کراچی کے فسادات کی جڑیں اقتدار کی فکر و فہم میں پوشیدہ ہیں۔[۲۲۲] وہ کراچی والوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ انھیں خود بھی اپنے مسائل حل کرنے میں دل چسپی لینا چاہیے۔[۲۲۳] پاکستانی شعبۂ صحافت کے بارے میں حکیم محمد سعید کا خیال تھا کہ یہ شعبہ امانت، دیانت اور صداقت سے خالی ہو چکا ہے اور اب صرف تجارت ہے۔پاکستانی صحافت، حسنِ صحافت کھو بیٹھی ہے اور مال و دولت کے تکبر نے صحافت کو کثافت میں تبدیل کر دیا ہے۔[۲۲۴]

حکیم محمد سعید کا پاکستانی بیوروکریسی سے بھی بہت واسطہ پڑتا تھا۔وہ ایک نہایت ایمان دار آدمی تھے لہٰذا رشوت سے کام نہیں نکلوا سکتے تھے اور پاکستانی بیوروکریسی، دباؤ، سفارش اور رشوت کے بغیر اٹھ کر پانی بھی نہیں پیتی۔وہ پاکستانی بیوروکریٹ کے بارے میں وضاحت کرتے ہیں کہ یہ دل آزاری ضرور کرتا ہے۔اسے انسان سے محبت نہیں ہے اور نہ وہ انسان کی عزت کرنا جانتا ہے بلکہ نوکر شاہی کے زعم میں انسانوں کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتا ہے۔[۲۲۵]

حکیم محمد سعید کا معاملہ پاکستانی سفیروں، سفارت خانوں اور وزارتِ خارجہ کے افسروں سے بھی بہت بار پڑا۔ان کا نقطۂ نظر تھا کہ پاکستان کی وزارتِ خارجہ کو سفارت خانوں کی تشکیل اور ان میں کام کرنے والے افراد کے انتخاب میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔بے شک سفارت خانوں اور سفارت کاروں کا تعلق عالمی معاملات، تعلقاتِ عامہ اور سیاست سے ہوتا ہے مگر انھیں اس قابل بھی ہونا چاہیے کہ وہ اہلِ علم سے رابطے رکھ سکیں۔اس کے لیے ضروری ہے کہ سفارت کار اور دیگر کارکنان خود اہلِ علم ہوں۔[۲۲۶]

حکیم محمد سعید نے اُردو بولنے والوں کی پاکستان میں صورتِ حال بیان کرتے ہوئے تحریر کیا کہ ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرنے والے مہاجرین سب سے زیادہ ہدفِ ملامت اور ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ہر حکومت کا رویہ ان کے خلاف رہا ہے، جب کہ پاکستان، مہاجرین ہی سے عبارت ہے۔اس قوم نے اپنی ہمت، جرات، شرافت، محنت، استقلال اور ثقافت سے پاکستان میں جان ڈالی ہے۔پاکستان کو معاشی، سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی سربلندی مہاجرین نے عطا کی ہے۔[۲۲۷] ان کا یہ بھی خیال تھا کہ پاکستان کی سلامتی کی سب سے زیادہ فکر مہاجرین ہی کو رہتی ہے۔[۲۲۸]

حکیم محمد سعید کی فکر ونظر کے ہمہ جہت پہلو درج ذیل ہیں:

جن میں اسلام، مسلمان، پاکستان، انسانیت، تربیت اطفال ونو جوانان اور طب بنیاد ہیں۔ انھی بنیادوں پر، انھوں نے عالم گیر معاشرت کی تمام جزئیات کو سمجھا اوراپنے سفرناموں میں بیان کیا ہے۔ مذکورہ بنیادی موضوعات سے متعدد ضمنی موضوعات بر آمد ہوئے اور یوں بات انسانی زندگی کے ہر پہلو اور معاشرے کے ہر زاویے تک پہنچ گئی، غرض ملکی اور بین الاقوامی سیاست، افغان جہاد، دہشت گردی، عالمِ اسلام پر عالمی اثرات، معیشت، ثقافت، معاشرت، عالم وعالم کی قدر ومنزلت، نصابِ تعلیم، علمِ جغرافیہ، علمِ تاریخ، علمی سرقہ، تعلیمِ نسواں، علمی مراکز، جامعات، جامعہ ہمدرد، کتابوں سے محبت، کتب خانے، نونہالوں اور نوجوانوں کی تربیت، اخلاقیات، محبت، احساس ذمہ داری، پابندیٔ وقت، دیانت، امانت، بدعنوانی، تعصب، نفرت، غربت، مفلسی، امارت، قائداعظم، مزارِ قائد، تحریکِ پاکستان، قیامِ پاکستان، ۲۷ رمضان، یومِ آزادی، تقسیمِ ہند، تقسیمِ پاکستان، پاکستانی حکمران، پاکستانی سیاست دان، عساکرِ پاکستان، سندھ حکومت، وفاقی حکومت، کراچی، مہاجرین، پٹھان، صوبۂ سرحد (کے پی کے)، نظامِ حکومت، فلاحی اسلامی ریاست کا تصور، نظامِ جمہوریت، نظامِ شورائیت، پاکستانی، عرب ، امریکی، روسی، جاپانی، جرمن، یہودی، ہندو، اقوامِ زرد، بیوروکریسی، وزارتِ صحت، پاکستانی ڈاکٹر، دواساز عالمی ادارے، عالمی ادارۂ صحت، اقوامِ متحدہ، ہوائی کمپنیاں، پی آئی اے، وزارتِ خارجہ، سفارت خانے، سفارتی عملہ، سفیر، صحافت، ذرائع ابلاغ، ٹیلی ویژن کے اثرات، قلم کی حرمت، مسلمانوں کا ماضی، مسلمانوں کا حال، حضور اکرم ﷺ سے محبت، امام حسینؓ اور اہلِ بیت، اولیاء اکرام، مزارات، قربانی، داڑھی، خود احتسابی، ملائیت، فرقہ واریت، قرآنی تعلیم، تزکیہ نفس، روزے، نمازِ تہجد، خوفِ خدا، حلال وحرام، تبلیغِ دین، عرفانِ الٰہی، آدابِ تلاوت، نظامِ زکواۃ، مذہبی رواداری، سود، عبادات، اعتکاف، ایک ناشتا ایک کھانا۔ بیوٹی پارلر، شادی ہال، شادی بیاہ کی رسومات، ہندوستانی مسلم رسوم و رواج و معاشرت، انسانی فطرت، بچوں سے محبت، غذا، کھانے کے آداب، چائے، کوفی، کولڈ ڈرنک، سگریٹ نوشی، مقصدِ حیات، رشوت، چھٹی حس، غصہ، ناراضی، دل شکنی، شکریہ، مسکراہٹ، تحفہ، انسانی ضمیر، احترام قانون، نفیِ ذات، شخصیت کی تعمیر، ماضی کو چھپانا، خدمتِ خلق، گائے کا گوشت، قرض کی ادائی، ادب، ادیب، شاعر، شاعری، اردو، فارسی، عربی، سعی، فلسفۂ حیات وموت، روحانی امراض، جسمانی عوارض، قومی لباس، صفائی، بچت کی عادت، وعدہ خلافی، زوالِ اخلاق، مشرقی اقدار، مغربی معاشرت، بے لگام آزادی، قیافہ شناسی، سچی دوستی، گلاب کے پھول، سیاحت، جانوروں سے محبت، گھر، خلد، دماغ، جدید سائنس، برین ڈرین، منشیات، انقلاب، شجر کاری، عقل کا غلط استعمال، شور، علمی کاموں کا معاوضہ، انگلش میڈیم اسکول، عیسائی مشنری اسکول، ڈیوٹی فری شاپ، تاجر، صنعت کار، پاکستانی سائنس دان، وڈیرے، زمین دار، مزدور، کارکن، ڈرائیور، گھریلو ملازم، کراچی کے اسکول، ٹرانسپورٹ کے مسائل، کراچی کے ہسپتال، اتحاد، فضول خرچی، ایف سی این سی، بیداریٔ صبح، استاد، ماں، انسانی زبان، سلام، خلوص، اپنا ماضی، خاندانِ ہمدرد، بڑے بھائی سے محبت، دہلی، مغل بادشاہ، گاندھی، نہرو، ابوالکلام آزاد، حسرت موہانی، ایوب خان، صدر جنرل ضیاء الحق اور دیگر سیاست دانوں

کے بارے میں حکیم محمد سعید نے اپنے سفرناموں میں اپنا نقطۂ نظر بھی بیان کیا ہے اور بے لاگ تبصرے بھی کیے ہیں۔

حکیم محمد سعید کے نزدیک ہماری قومی ترقی کی اصل بنیادیں تین ہیں۔ انھی پر ہماری انفرادی شخصیت اور قومی بھلائی کی عمارت تعمیر ہوسکتی ہے۔ اوّل تعلیم، دوم صحت اور سوم مذہبی اقدار سے مستحکم وابستگی۔ ۲۲۹ حکیم محمد سعید کے سفرناموں کا فکری تجزیہ اس حتمی نتیجے پر پہنچا ہے کہ ان کی نظریاتی جڑیں انسانیت، اسلام اور پاکستان کی زمین میں مضبوطی سے گڑی تھیں اور کوئی بدیسی نظریہ انھیں اکھاڑ نہیں سکتا تھا۔ نظریات میں استقلال و استحکام کے حوالے سے کوئی دوسرا سفرنامہ نگار، ان کا ثانی نہیں ہے اور عہد حاضر میں تو پاسنگ بھی نہیں۔

حکیم محمد سعید کے سفرناموں سے انسانیت کی فلاح و بہبود، عدم تشدد، رواداری، بھائی چارہ، برداشت، عدل، اعتدال، صبر و استقامت، محنت، جدوجہد، دیانت، امانت، تعلیم، تربیت، خیرخواہی اور محبت کے رجحانات کو فروغ حاصل ہوا اور وہ راہ سرسیّد کے مسافر تھے اور بہ جا طور پر عہد حاضر میں فکرِ سرسید کے نمائندہ سفرنامہ نگار کہلائے جاسکتے ہیں۔ سفرناموں کو انسانیت کی فلاح و ترقی کے لیے تحریر کرنا حکیم محمد سعید کا اردو سفرنامہ نگاری میں بہت بڑا کنٹری بیوشن ہے کیوں کہ موجودہ زمانے میں اس صنفِ ادب کو دولت اور شہرت کمانے کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ ایسے میں حکیم محمد سعید نے اردو سفرنامے کو معاشرے کے لیے بامقصد بنایا اور اسے سیر و سیاحت اور تفریح کے علاوہ انسانوں خصوصاً نونہالوں اور نوجوانوں کی تربیت کے لیے بھی استعمال کیا۔ یقین ہے کہ ادب برائے زندگی کے نظریے کے حامل افراد کے نزدیک حکیم محمد سعید کے تحریر کردہ سفرنامے پسندیدہ ہوں گے کیوں کہ موجودہ مادیت پرستی کے زمانے میں جب انسانوں اور مشینوں میں زیادہ فرق نہیں رہ گیا ہے۔ ایسے میں انسانیت کی مشعل روشن کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے اور عہدِ حاضر کے انسان کو اخلاقی قدروں کی ضرورت جتنی آج ہے شاید ماضی میں کبھی نہ رہی ہو۔ اردو سفرنامہ نگاری میں نظریاتی و فکری اساس کے حامل افراد و شخصیات کی ایک طویل فہرست اور تاریخ ہے۔ اس کی روشن مثال سرسید احمد خان، شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی وغیرہ کے سفرنامے ہیں۔ مذکورہ اشخاص نے سفرناموں میں مقصدیت، معلومات اور اپنے فکری و نظریاتی نقطۂ نظر کو زیادہ اہمیت دی۔ بلاشبہ حکیم محمد سعید کے تحریر کردہ سفرنامے اسی زمرے میں آتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ فکرِ سعید کے فروغ اور اشاعت کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے جائیں اور اس سے فائدہ اٹھا کر پاکستانی معاشرے کو بدعنوانی سے پاک کر کے روشن خیال، اعتدال پسند اور فلاحی بنایا جائے۔ نونہالوں اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت مثبت سوچ کے مرکزی دائرے میں کی جائے کیوں کو وہ پاکستان اور دنیا کا مستقبل ہیں۔

حواشی:

۱۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، ''اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۳۱۔

۲۔ ڈاکٹر انور سدید، ''اردو ادب میں سفرنامہ''، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، سن ندارد، ص ۱۲۱۔

۳۔ ''اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ''،ص ۳۸۔

۴۔ ''اردو ادب میں سفرنامہ''،ص ۱۱۸۔

۵۔ ڈاکٹر قدسیہ قریشی،''اردو سفرنامے انیسویں صدی میں''، جامعہ لمیٹیڈ، دہلی، ۱۹۸۷ء،ص ۷۷۔

۶۔ ڈاکٹر محمد شہاب الدین،''اردو میں حج کے سفرنامے''، یونی ورسل بک ہاوس،علی گڑھ،سن ندارد،ص ۶۵۔

۷۔ ڈاکٹر علی محمد خان، (مرتب) ''حیاتِ جاوید از خواجہ الطاف حسین حالی''، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۱۵ء،ص ۱۲۷۔

۸۔ ایضاً،ص ۱۳۱۔

۹۔ ''اردو سفرنامے انیسویں صدی میں''،ص ۱۸۴۔

۱۰۔ ''اردو ادب میں سفرنامہ''،ص ۱۱۷۔

۱۱۔ ایضاً،ص ۱۳۶۔

۱۲۔ ''اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ''،ص ۳۹۔

۱۳۔ ''اردو سفرنامے انیسویں صدی میں''،ص ۳۰۷۔

۱۴۔ ''اردو ادب میں سفرنامہ''،ص ۳۶۱۔

۱۵ ''اردو سفرنامے انیسویں صدی میں''،ص ۳۱۴۔

۱۶۔ ''اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ''،ص ۴۱۔

۱۷۔ ڈاکٹر خالد محمود،''اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ''، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی، ۲۰۱۱ء،ص ۱۳۰۔

۱۸۔ ''اردو ادب میں سفرنامہ''،ص ۱۸۶۔

۱۹۔ ''اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ''،ص ۴۲۔

۲۰۔ ''اردو ادب میں سفرنامہ''،ص ۱۹۷۔

۲۱۔ ڈاکٹر صدف فاطمہ:''خواتین کے اردو سفرناموں کا تحقیقی مطالعہ''، انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۱ء،ص ۳۱۔

۲۲۔ ''اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ''، ص ۱۴۹۔

۲۳۔ ''اردو ادب میں سفرنامہ''،ص ۲۰۹۔

۲۴۔ ''اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ''،ص ۴۶۔

۲۵۔ ''اردو ادب میں سفرنامہ''،ص ۲۵۶۔

۲۶۔ ایضاً،ص ۲۷۰۔

۲۷۔ ایضاً،ص ۲۷۱۔

۲۸۔ ایضاً،ص ۲۷۷۔

۲۹۔ حکیم محمد سعید،''سعید سیاح فن لینڈ میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۲ء،ص ۹۵۔

۳۰۔ ـــــــــ،''سعید سیاح ٹورانٹو میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۳ء،ص ۶

۳۱۔ ________ ،''سعید سیاح چین میں''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۲ء،ص۸۰۔

۳۲۔ ________ ،''سعید سیاح جرمنی میں''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۴ء،ص۱۰۔

۳۳۔ ________ ،''پروازِ فکر''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۸ء،ص۱۰۔

۳۴۔ ________ ،''ایک مسافر چار ملک،،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۸ء،ص ب۔

۳۵۔ ________ ،''یورپ نامہ،ہمدرد اکیڈمی،کراچی،۱۹۶۰ء،ص ۷۔

۳۶۔ ________ ،''سعید سیاح اسکندریہ میں''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۴ء،ص۱۶۔

۳۷۔ ________ ،''ماہ وروز (روزنامچہ رُوس)''،ہمدرد اکیڈمی،کراچی،۱۹۸۰ء،ص الف۔

۳۸۔ ________ ،''ماوراالبحار''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۰ء،ص۱۹۔۲۰۔

۳۹۔ ________ ،''سعید سیاح چین میں''،ص۲۹۔

۴۰۔ ________ ،''ماہِ سعید''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۸۷ء،ص۹۶۔

۴۱۔ ________ ''ماہ وروز (روزنامچہ رُوس)''،ص۴۵۔

۴۲۔ ________ ،''نقش سفر''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۹ء،ص۶۲۔

۴۳۔ ________ ،''ریگِ رواں،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۸۹ء،ص۷۵۔

۴۴۔ ________ ،''سعید سیاح جرمنی میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۴ء،ص۴۲۔

۴۵۔ ________ ،''سعید سیاح پھر لندن میں''ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۵ء،ص۸۔

۴۶۔ عطاالحق قاسمی،''گوروں کے دیس میں''،پانچواں ایڈیشن،مقبول اکیڈمی،لاہور،۱۹۹۵ء،ص۶۹۔

۴۷۔ ابن انشا،''دنیا گول ہے''، لاہور اکیڈمی،لاہور،۱۹۷۲ء،ص۶۹۔

۴۸۔ جمیل الدین عالی،''آئس لینڈ''،اکادمی بازیافت،کراچی،۲۰۰۱ء،ص۶۳۔

۴۹۔ محمد تقی عثمانی،''جہانِ دیدہ''،مکتبہ معارف قرآن،کراچی،۲۰۱۲ء،ص۱۷۲۔

۵۰۔ قمر علی عباسی،''ترکی میں عباسی''،ویلکم بک پورٹ،کراچی،۲۰۰۲ء،ص۱۱۲۔

۵۱۔ شفیع عقیل،''زندگانی پھر کہاں''،بک ہوم،لاہور،۲۰۰۶ء،ص۶۸۔

۵۲۔ ''یورپ نامہ''،ص۴۳۲۔

۵۳۔ حکیم محمد سعید،''سوئز رلینڈ میں میرے چند شب وروز''، ہمدرد اکیڈمی،کراچی،۱۹۸۰ء،ص۶۹۔

۵۴۔ 'یورپ نامہ''،ص۴۳۱۔

۵۵۔ ابن انشا،''آوارہ گردکی ڈائری''،ص۱۶۶۔

۵۶۔ قمر علی عباسی،''ترکی میں عباسی''،ص۹۸۔

۵۷۔ جمیل الدین عالی،''دنیا میرے آگے''،اشاعت سوم،شیخ شوکت علی اینڈ سنز،لاہور،۱۹۹۱ء،ص۲۵۲

۵۸۔ رضا علی عابدی،''ریل کہانی''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۵ء،ص۸۔

۵۹ ایضاً،ص۲۱۰۔

۶۰ عطاالحق قاسمی، ''گوروں کے دیس میں''،ص۳۲۔

۶۱ مستنصر حسین تارڑ، ''اندلس میں اجنبی''،ص۳۳۱۔

۶۲ حکیم محمد سعید، ''پروازِ فکر''،ص۳۔

۶۳ ______، ''استنبول کا آخری سفر''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۰ء،ص۲۷۔

۶۴ مسعود احمد برکاتی، ''چند ذاتی پہلو'' مشمولہ شہید حکیم محمد سعید(یادیں اور باتیں)، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۹ء،ص۵۴۔

۶۵ حکیم محمد سعید، ''سعید سیاح جرمنی میں''،ص۱۱۔

۶۶ ______، ''سعید سیاح ٹورانٹو میں''،ص۶۲ تا ۷۰۔

۶۷ ______، ''سعید سیاح نیویارک اور واشنگٹن میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۳ء،ص۵۵۔

۶۸ ______، ''سعید سیاح سلطنتِ عمان میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۳ء،ص۸۴۔

۶۹ محمد تقی عثمانی، ''جہاں دیدہ''،ص۴۲۴۔

۷۰ ایضاً،ص۴۲۳۔

۷۱ حکیم محمد سعید، ''بالیدگی فکر''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۷ء،ص۲۷ تا ۳۰۔

۷۲ ______، ''سعید سیاح اسکندریہ میں''،ص۱۰۸۔

۷۳ ______، ''ابنِ رشد''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۵ء،ص۶۸ تا ۹۳۔

۷۴ ______، ''سعید سیاح جرمنی میں''،ص۶۔

۷۵ ______، ''ڈھاکا میں سعید سیاح کے چار دن''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۵ء،ص۱۴۔

۷۶ ______، ''لندن اور کیمبرج''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۰ء،ص۱۶۔

۷۷ ایضاً،ص۸۴۔۸۵۔

۷۸ حکیم محمد سعید، ''سعید سیاح ڈھاکا میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی ۱۹۹۵ء،ص۱۷، ۱۸۔

۷۹ ______، ''سعید سیاح ترکی میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۲ء،ص۲۸۔

۸۰ ایضاً،ص۱۲۹۔

۸۱ ______، ''ڈھاکا میں سعید سیاح کے چار دن''،ص۲۷۔

۸۲ ______، ''تین شہروں کا مسافر''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۸ء،ص۹۔

۸۳ ایضاً،ص۴۹۔

۸۴ ______، ''بالیدگی فکر''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۷ء،ص۹۰، ۹۱۔

۸۵ ______، ''داستان امریکا''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۷ء،ص۵۰۔

۸۶ ______، ''داستانِ حج''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۶ء،ص۷۸۔

۸۷۔ ______،''سعید سیاح نیونس میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۔
۸۸۔ ______،''ڈھاکا میں سعید سیاح کے چار دن''، ص ۹۔
۸۹۔ ______،''سعید سیاح فن لینڈ میں''، ص ۶۔
۹۰۔ ایضاً، ص ۲۷۔
۹۱۔ ______،''سعید سیاح امریکا میں''، ص ۱۶۲۔
۹۲۔ عطاالحق قاسمی،''گوروں کے دیس میں''، ص ۹۰۔
۹۳۔ مستنصر حسین تارڑ،''نیویارک کے سورنگ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۔
۹۴۔ ______،''ہیلو ہالینڈ''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۵۔
۹۵۔ حکیم محمد سعید،''استنبول کا آخری سفر''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۷ء، ص ۸۔
۹۶۔ ______،''داستانِ جرمنی''، ص ۱۶۔
۹۷۔ ______،''سعید سیاح تہران میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۶۷۔
۹۸۔ ______،''یورپ نامہ''، ص ۴۳۵۔
۹۹۔ ______،''تین شہروں کا مسافر''، ص ۱۶۴۔
۱۰۰۔ عطاالحق قاسمی،''گوروں کے دیس میں''، ص ۱۳۔
۱۰۱ مستنصر حسین تارڑ،''اندلس میں اجنبی''، ص ۲۹۸۔
۱۰۲۔ حکیم محمد سعید،''دہلی میں تین دن''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۱ء، ص ۷۔
۱۰۳ ______،''سوئزرلینڈ میں میرے چند شب و روز''، ص ۱۳۹۔
۱۰۴۔ ______،''تین دن بغداد میں''،، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۰ء ص ۶۸۔
۱۰۵۔ محمد تقی عثمانی،''جہانِ دیدہ''، ص ۳۴۳۔
۱۰۶۔ رضا علی عابدی،''جہازی بھائی''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۳۔
۱۰۷۔ عطاالحق قاسمی،''گوروں کے دیس میں''، ص ۱۹۔
۱۰۸۔ ابن انشا،''آوارہ گرد کی ڈائری''، ص ۱۸۰۔
۱۰۹۔ جمیل الدین عالی،''دنیا میرے آگے''، ص ۱۴۵۔
۱۱۰۔ مستنصر حسین تارڑ،''نیویارک کے سورنگ''، ص ۱۵۶۔
۱۱۱۔ حکیم محمد سعید،''یورپ نامہ''، ص ۳۶۔
۱۱۲۔ ______،''سعید سیاح قطر میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۸۰۔
۱۱۳۔ ______،''داستانِ جرمنی''، ص ۲۶۔
۱۱۴۔ عطاالحق قاسمی،''گوروں کے دیس میں''، ص ۹۔

۱۱۵۔ جمیل الدین عالی، ''تماشا میرے آگے''، ص ۲۱۔

۱۱۶۔ ______، ''آئس لینڈ''، ص ۷۲۔

۱۱۷۔ مستنصر حسین تارڑ، ''منہ دل کعبے شریف''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۶۔

۱۱۸۔ حکیم محمد سعید، ''داستانِ حج''، ص ۴۵۔

۱۲۰۔ حکیم محمد سعید، ''یورپ نامہ''، ص ۳۷۳۔

۱۲۱۔ ______، ''یورپ نامہ''، ص ۲۳۶۔

۱۲۲۔ ذوالفقار بھٹی، ''باتیں ادب اور نظریات کی''، مشمولہ کتابِ سعید (مرتب) ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، ادارہ علم و فن، پشاور، ۱۹۹۸ء، ص ۴۳۵۔

۱۲۳۔ حکیم محمد سعید، ''سعید سیاح ڈھاکا میں''، ص ۱۳۔

۱۲۴۔ ایضاً، ص ۱۳۔

۱۲۵۔ ______، ''سعید سیاح کویت میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۔

۱۲۶۔ ______، ''سعید سیاح نیویارک اور واشنگٹن میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۳ء، ص ۶۳۔

۱۲۷۔ ______، ''بالیدگی فکر''، ص ۴۵۔

۱۲۸۔ جمیل الدین عالی، ''دنیا میرے آگے''، ص ۱۷۴۔

۱۲۹۔ رضا علی عابدی، ''جہازی بھائی''، ص ۱۱۵۔

۱۳۰۔ شفیع عقیل، ''زندگانی پھر کہاں''، ص ۱۷۳۔

۱۳۱۔ محمد تقی عثمانی، ''جہاں دیدہ''، ص ۵۶۸۔

۱۳۲۔ مستنصر حسین تارڑ، ''سنولیک''، ص ۳۱۹۔

۱۳۳۔ جمیل الدین عالی، ''دنیا میرے آگے''، ص ۱۳۱۔

۱۳۴۔ حکیم محمد سعید، ''درونِ روس (دید و شنید)''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۱ء، ص ۱۶۵ تا ۱۶۸۔

۱۳۵۔ ابن انشا، ''آوارہ گرد کی ڈائری''، ص ۳۴۔

۱۳۶۔ عطاالحق قاسمی، ''گوروں کے دیس میں''، ص ۱۲۔

۱۳۷۔ رضا علی عابدی، ''جہازی بھائی''، ص ۱۲۔

۱۳۸۔ جمیل الدین عالی، ''تماشا میرے آگے''، شیخ غلام علی اینڈ سنز لمیٹیڈ، لاہور، اشاعتِ سوم ۱۹۹۱ء، ص ۱۵۔

۱۳۹۔ مستنصر حسین تارڑ، ''سفر شمال کے''، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۱۳۔

۱۴۰۔ حکیم محمد سعید، ''سعید سیاح ترکی میں''، ص ۱۰۷۔

۱۴۱۔ ______، ''فکرِ جواں''، ص ۲۰۷

۱۴۲۔ عطاالحق قاسمی، ''گوروں کے دیس میں''، ص ۱۴۷۔

۱۴۳۔ ______، ''سعید سیاح فن لینڈ میں''، ص ۴۴۔

۱۴۴۔ ایضاً،ص۶۳۔

۱۴۵۔ ایضاً،ص۶۲۔

۱۴۶۔ حکیم محمد سعید،''سوئیزرلینڈ میں میرے چند شب وروز''،ص۱۶۔

۱۴۷۔ مستنصر حسین تارڑ،''نیویارک کے سورنگ''،ص۱۷۔

۱۴۸۔ ________،''ہیلو ہالینڈ''،ص۲۱۵۔

۱۴۹۔ جمیل الدین عالی،''آئس لینڈ''،ص۱۰۔

۱۵۰۔ عطاالحق قاسمی،''گوروں کے دیس میں''،ص۴۴۔

۱۵۱۔ حکیم محمد سعید،''سوئیزرلینڈ میں میرے چند شب وروز''،ص۹۶۔

۱۵۲۔ ________،'' ایک مسافر، چار ملک''،ص۳۱۔

۱۵۳۔ ________،''نقشِ سفر''،ص۳۱۔

۱۵۴۔ ________،''کوریا کہانی''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۸۳ء،ص۲۴۔

۱۵۵۔ ایضاً،ص۲۵

۱۵۶۔ ________،''ایک مسافر، چار ملک''،ص۴۲۰۔

۱۵۷۔ ________،''سعید سیاح فن لینڈ میں''،ص۶۳۔

۱۵۸۔ ________،''کوریا کہانی''ص۱۸۷۔

۱۵۹۔ ________،''ارضِ قرآن میں سعید سیاح کے شب وروز''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی،۱۹۹۴ء،ص۱۹۔

۱۶۰۔ جمیل الدین عالی،''دنیا میرے آگے''،ص۱۴۷۔

۱۶۱۔ رضا علی عابدی،''جہازی بھائی''،ص۷۰،۷۱۔

۱۶۲۔ محمد تقی عثمانی،''جہانِ دیدہ''،ص۶۰۷۔

۱۶۳۔ حکیم محمد سعید،''سعید سیاح فن لینڈ میں''،ص۵۶۔

۱۶۴۔ ________،''سوئیزرلینڈ میں میرے چند شب وروز''،ص۹۰۔

۱۶۵۔ ایضاً،ص۹۴

۱۶۶۔ ________،''سحرِ اوقیانوس کے پار''ص۲۲۔

۱۶۷۔ ________،''سعید سیاح ترکی میں''،ص۱۰۸۔

۱۶۸۔ ________،''درون روس''،ص۱۷۳۔

۱۶۹۔ ________،''سعید سیاح ڈھاکا میں''،ص۸۱۔

۱۷۰۔ ________،''سعید سیاح فن لینڈ میں''،ص۵۰

۱۷۱۔ ________،''سعید سیاح فن لینڈ میں''،ص۲۶۔

۱۷۲۔ ________،''درونِ روس''،ص۱۷۷۔

۱۷۳۔ ایضاً،ص۴۸۔

۱۷۴۔ ابن انشا،''دنیا گول ہے''،ص۱۱۷۔

۱۷۵۔ مستنصر حسین تارڑ،''نیویارک کے سو رنگ''،ص۹۶۔

۱۷۶۔ محمد تقی عثمانی،''جہانِ دیدہ''،ص۴۹۲۔

۱۷۷۔ حکیم محمد سعید،''بالیدگی فکر''،ص۷۰۔

۱۷۸۔ ________،''سعید سیاح نیویارک اور واشنگٹن میں''،ص۱۲۶۔

۱۷۹۔ ________،''بالیدگی فکر''،ص۱۰۲۔

۱۸۰۔ ________،''داستانِ حج''،ص۶۰

۱۸۱۔ ابن انشا،''آوارہ گرد کی ڈائری''،ص۲۷۔

۱۸۲۔ ________،''نقش سفر''،ص۵۵۹۔

۱۸۳۔ ________،''سعید سیاح کویت میں''،،ص۷۵۔

۱۸۴۔ محمد تقی عثمانی،''جہانِ دیدہ''،ص۴۸۴۔

۱۸۵۔ مستنصر حسین تارڑ،''ہیلو ہالینڈ''،ص۱۵۔

۱۸۶۔ شفیع عقیل،''زندگانی پھر کہاں''،ص۱۲۵تا۱۲۷۔

۱۸۷۔ حکیم محمد سعید،''سعید سیاح کویت میں''،،ص۱۳۔

۱۸۸۔ ________،''سعید سیاح پھر عمان میں''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۵ء،ص۹۰تا۹۱۔

۱۸۹۔ ________،''سعید سیاح فن لینڈ میں''،ص۵۸۔

۱۹۰۔ ________،''ماہِ سعید''،ص۸۶۔

۱۹۱۔ ________،''سعید سیاح فن لینڈ میں''،ص۷۔

۱۹۲۔ ابن انشا،''دنیا گول ہے''،ص۳۶۲۔

۱۹۳۔ جمیل الدین عالی،''دنیا میرے آگے''،ص۳۱۴۔

۱۹۴۔ حکیم محمد سعید،'' نقشِ سفر''،ص۵۲۰۔

۱۹۵۔ ________،''سوئزرلینڈ میں میرے چند شب و روز''،ص۶۱۔

۱۹۶۔ ________،'' فکرِ جواں''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۷ء،۶۴۔

۱۹۷۔ ________،''سوئزرلینڈ میں میرے چند شب و روز''،ص۱۱۷۔

۱۹۸۔ ________،''ایک مسافر چار ملک''،ص۴۵۲۔

۱۹۹۔ ________،''درونِ روس''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس،کراچی،۱۹۹۱ء،ص۲۱۸۔

۲۰۰۔ ______، ''ماہِ سعید''، ص۲۳۰۔
۲۰۱۔ ______، ''دہلی کی سیر''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص۲۸
۲۰۲۔ ابن انشا، ''ابن بطوطہ کے تعاقب میں''، ص۵۸۔
۲۰۳۔ رضا علی عابدی، ''جہازی بھائی''، ص۱۰۷۔
۲۰۴۔ مستنصر حسین تارڑ، ''ہیلو ہالینڈ''، ص۱۴۔
۲۰۵۔ ______، ''نیویارک کے سورنگ''، ص۱۲۔
۲۰۶۔ ______، ایضاً، ص۲۳۹۔
۲۰۷۔ محمد تقی عثمانی، ''جہانِ دیدہ''، ص۴۳۸۔
۲۰۸۔ جمیل الدین عالی، ''دنیا میرے آگے''، ص۹۴۔
۲۰۹۔ حکیم محمد سعید، ''سحرِ اوقیانوس کے پار''، ص۱۲۷۔
۲۱۰۔ ______، ''یہ جاپان ہے''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی، ۱۹۹۱ء، ص۱۱۶۔
۲۱۱۔ ______، ''سعید سیاح فن لینڈ میں''، ص۷۶۔
۲۱۲۔ ______، ''سوئزر لینڈ میں میرے چند شب وروز''، ص۷۴۔
۲۱۳۔ ______، ''سعید سیاح پھر لندن میں''، ص۸۔
۲۱۴۔ ______، ''دہلی کی سیر''، ص۱۹۔
۲۱۵۔ ______، ''سعید سیاح فن لینڈ میں''، ص۵۷۔
۲۱۶۔ ______، ''سعید سیاح کویت میں''، ص۷۳۔
۲۱۷۔ ______، ''سعید سیاح ٹورنٹو میں''، ص۱۰۷۔
۲۱۸۔ ______، ''یہ جاپان ہے''، ص۲۱۔
۲۱۹۔ ______، ''دہلی کی سیر''، ص۶۱۔
۲۲۰۔ ______، ''داستانِ امریکا''، ص۴۸۔
۲۲۱۔ ______، ''داستانِ لندن''، ص۸۷۔
۲۲۲۔ ______، ''سعید سیاح ترکی میں''، ص۹۲۔
۲۲۳۔ ______، ''ایک مسافر چار ملک''، ص۳۳۔
۲۲۴۔ ______، ''سعید سیاح قطر میں''، ص۱۱۹۔
۲۲۵۔ ______، ''سعید سیاح قاہرہ میں''، ہمدرد اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۲ء، ص۷۶۔
۲۲۶۔ ______، ''سوئزر لینڈ میں میرے چند شب وروز''، ص۷۲۔
۲۲۷۔ حکیم محمد سعید، ''نقشِ سفر''، ص۵۰۸۔

۲۲۸ ایضاً،ص۶۵۸۔

۲۲۹ ________،''دہلی کی سیر''،ص۱۰۵۔

فہرستِ اسنادِ محولہ:

(الف)

سنجیدہ عمر کے افراد کے لیے سفرنامے:

۱۔ محمد سعید،حکیم:۱۹۶۰ء،''یورپ نامہ''ہمدرد اکیڈمی،کراچی۔

۲۔ ________:۱۹۸۰ء،''ماہ دروز،روزنامچہ سفرروس''،ہمدرد اکیڈمی،کراچی۔

۳۔ ________:۱۹۸۰ء،''سوئزرلینڈ میں میرے چند شب و روز''،ہمدرد اکیڈمی،کراچی۔

۴۔ ________:۱۹۸۱ء،''ایک مسافر۔چار ملک''ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۵۔ ________:۱۹۸۳ء،''کوریا کہانی''،ہمدرد فاؤنڈیشن،کراچی۔

۶۔ ________:۱۹۸۷ء،''ماہِ سعید''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۷۔ ________:۱۹۸۹ء،''ریگِ رواں''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۸۔ ________:۱۹۹۰ء''ماوراء البحار''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۹۔ ________:۱۹۹۱ء،''درون روس''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۱۰۔ ________:۱۹۹۹ء،''نقشِ سفر''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

نوجوانوں کے لیے سفرنامے

۱۱۔ محمد سعید،حکیم:۱۹۹۶ء،''جاپان کہانی''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۱۲۔ ________:۱۹۹۶ء،''داستانِ حج''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۱۳۔ ________:۱۹۹۶ء،داستانِ لندن''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۱۴۔ ________:۱۹۹۷ء،''داستانِ امریکا''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۱۵۔ ________:۱۹۹۷ء،''داستانِ جرمنی''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۱۶۔ ________:۱۹۹۷ء،''فکرِ جواں''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۱۷۔ ________:۱۹۹۷ء،''بالیدگیِ فکر''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۱۸۔ ________:۱۹۹۸ء،''پروازِ فکر''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۱۹۔ ________:۱۹۹۸ء،''تین شہروں کا مسافر''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

نونہالوں کے لیے سفرنامے:

۲۰۔ محمد سعید، حکیم: ۱۹۹۰ء، ''لندن اور کیمبرج''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۲۱۔ ________: ۱۹۹۰ء، تین دن بغداد میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۲۲۔ ________: ۱۹۹۱ء، ''بحر اوقیانوس کے پار''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۲۳۔ ________: ۱۹۹۱ء، ''ڈیلفی سے سونے کی کان تک''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۲۴۔ ________: ۱۹۹۱ء، ''دہلی میں تین دن''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۲۵۔ ________: ۱۹۹۱ء، ''یہ جاپان ہے''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۲۶۔ ________: ۱۹۹۲ء، ''سعید سیاح فن لینڈ میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۲۷۔ ________: ۱۹۹۲ء، ''سعید سیاح چین میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۲۸۔ ________: ۱۹۹۲ء، ''سعید سیاح تیونس میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۲۹۔ ________: ۱۹۹۲ء، ''سعید سیاح قاہرہ میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۰۔ ________: ۱۹۹۲ء، ''سعید سیاح ترکی میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۱۔ ________: ۱۹۹۳ء، سعید سیاح تہران میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۲۔ ________: ۱۹۹۳ء، ''سعید سیاح واشنگٹن اور نیویارک میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۳۔ ________: ۱۹۹۳ء، ''سعید سیاح شیراز میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۴۔ ________: ۱۹۹۳ء، ''سعید سیاح ٹورانٹو میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۵۔ ________: ۱۹۹۳ء، ''سعید سیاح ڈھاکا میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۶۔ ________: ۱۹۹۳ء، ''سعید سیاح سلطنتِ عمان میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۷۔ ________: ۱۹۹۴ء، ''ارضِ قرآن میں سعید سیاح کے شب و روز''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۸۔ ________: ۱۹۹۴ء، ''سعید سیاح پھر عمان میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۳۹۔ ________: ۱۹۶۴ء، ''سعید سیاح اسکندریہ میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۰۔ ________: ۱۹۹۴ء، سعید سیاح جرمنی میں، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۱۔ ________: ۱۹۹۴ء، ''سعید سیاح اردن میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۲۔ ________: ۱۹۹۴ء، ''سعید سیاح قطر میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۳۔ ________: ۱۹۹۴ء، ''سعید سیاح کویت میں''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۴۔ ________: ۱۹۹۵ء، ''ابنِ رشد''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۵۔ ________: ۱۹۹۵ء، ''ڈھاکا میں سعید سیاح کے چار دن''، ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۶۔ ________:۱۹۹۵ء،''درۂ خیبر''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۷۔ ________:۱۹۹۵ء،''سعید سیاح امریکا میں''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۸۔ ________:۱۹۹۵ء،''سعید سیاح پھر لندن میں''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

۴۹ ________:۱۹۹۸ء،''دہلی کی سیر''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

نونہالوں اور نوجوانوں کے لیے مشترکہ

۵۰۔ محمد سعید، حکیم:۱۹۹۹ء،''استنبول کا آخری سفر''،ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کراچی۔

(ب)

(دیگر سفرنامے)

۵۱۔ ابن انشا:سن ندارد،''آوارہ گرد کی ڈائری''،

۵۲۔ ____:۱۹۷۲ء،''دنیا گول ہے''،لاہور اکیڈمی،لاہور۔

۵۳۔ تارڑ، مستنصر حسین:۔۔۔،''اندلس میں اجنبی''،

۵۴۔ ________:۲۰۰۳ء،''سفر شمال کے''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔

۵۵۔ ________:۲۰۰۹ء،''منہ دل کعبہ شریف''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔

۵۶۔ ________:۲۰۱۰ء،''سنولیک''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔

۵۷۔ ________:۲۰۱۰ء،''نیویارک کے سورنگ''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔

۵۸۔ ________:۲۰۱۱ء،''ہیلو ہالینڈ''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔

۵۹۔ عابدی، رضا علی:۱۹۹۹ء،''جہازی بھائی''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔

۶۰۔ ________:۲۰۰۵ء،''ریل کہانی''، سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔

۶۱۔ ________:۲۰۰۹ء،''شیر دریا''،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور۔

۶۲۔ عباسی، قمر علی:۲۰۰۲ء،''ترکی میں عباسی''،ویلکم بک پورٹ،کراچی۔

۶۳۔ عثمانی، محمد تقی:۲۰۱۲ء،''جہانِ دیدہ''،مکتبہ معارف القرآن،کراچی۔

۶۴۔ عالی، جمیل الدین:۱۹۹۱ء،''دنیا میرے آگے''،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور۔

۶۵۔ ________:۱۹۹۱ء،''تماشا میرے آگے''،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور۔

۶۶۔ ________:۲۰۰۱ء،''آئس لینڈ''،اکادمی بازیافت،کراچی۔

۶۷۔ شفیع عقیل:۲۰۰۶ء،''زندگانی پھر کہاں''،بک ہوم،لاہور۔

۶۸۔ قاسمی، عطاالحق:۱۹۹۵ء،''گوروں کے دیس میں''،مقبول اکیڈمی،لاہور۔

(ج)

(دیگر کتب)

۶۹۔ انور سدید، ڈاکٹر: سن ندارد، ''اردو ادب میں سفرنامہ''، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور۔

۷۰۔ اعوان، ظہور احمد، ڈاکٹر: ۱۹۹۸ء، (مرتب) ''کتابِ سعید''، ادارۂ علم و فن، پشاور۔

۷۱۔ بیگ، مرزا، حامد، ڈاکٹر: ۱۹۸۷ء، ''اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ''، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۷۲۔ خالد محمود، ڈاکٹر: ۲۰۱۱ء، ''اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ''، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، دہلی۔

۷۳۔ زبیری، رفیع الزماں: ۱۹۹۹ء، (مرتب) ''شہید حکیم محمد سعید'' ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، کراچی۔

۷۴۔ شہاب الدین، محمد، ڈاکٹر: سن ندارد، ''اردو میں حج کے سفرنامے''، یونیورسل بک ہاؤس، علی گڑھ۔

۷۵۔ صدف فاطمہ، ڈاکٹر: ۲۰۱۱ء، ''خواتین کے اردو سفرناموں کا تحقیقی مطالعہ''، انجمن ترقی اردو، کراچی۔

۷۶۔ قریشی، قدسیہ، ڈاکٹر: ۱۹۸۷ء، ''اردو سفرنامے انیسویں صدی میں'' مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، دہلی۔